کتاب وسنت اور اسلافِ اُمت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد
حیدرآباد

Volume:16 Issue:4 April 2023

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن



عبادات شرع کے موافق اور اخلاص سے مزین ہوں

از: مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ؗ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۟ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۟ۙ﴿۲﴾ (سورۃ الملک)

ترجمہ: بڑی شان ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ساری بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی اس لئے پیدا کی تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ بہتر ہے، اور وہی ہے جو مکمل اقتدار کا مالک، بہت بخشنے والا ہے۔

توضیح: رمضان کا مبارک مہینہ اپنے تزک واحتشام کے ساتھ رواں دواں ہے، ہر چہارسو پر نور ایمانی ماحول ہے، ہر صاحب ایمان بندہ اپنے روح کو برکات رمضان سے جلا بخش رہا ہے، اپنے بساط کے مطابق اعمال میں جی لگا رہا ہے، ہر ایک اپنے اپنے ذوق سے عبادتوں میں مصروف کار ہے، خدا کرے کہ یہ رمضان ہماری اصلاحی تبدیلی وروحانی ارتقاء کا ذریعہ بنے۔

عموماً ہم میں کی اکثریت بڑی جذباتی واقع ہوئی ہے ہماری نظر اپنے افعال وعبادات میں کمیت (تعداد) پر ہوتی ہے کیفیت پر نہیں ہوتی حالانکہ عبادتوں میں شریعت کا مقصود، کثرتِ عمل (عمل کی زیادتی) نہیں ہے بلکہ احسن عمل (عمل کی عمدگی اور اخلاص) ہے، بسا اوقات عبادات میں نیت کا رخ درست نہیں ہوتا ہے، عمل پر عمل کیے جاتے ہیں پہاڑوں جیسے اعمال ہوتے ہیں مگر وزن میں تنکوں کی طرح ہوجاتے ہیں کیونکہ ان میں اخلاص نیت، دوام عمل کی شرط مفقود ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ عمل پسندیدہ ہے جس میں دوام اور خلوص ہو، ان دونوں میں بھی خلوص ایک ایسی کیفیت ہے کہ عمل مختصر ہونے کے باوجود بھی صفت اخلاص کی وجہ سے عمل کا اجر

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس، حیدرآباد

اضعافا مضاعفة (کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے) اور اگر عمل خلوص سے خالی ہو تو بڑے سے بڑا عمل بھی اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر جاتا ہے بلکہ سخت ناراضی کا سبب بن جاتا ہے حدیث میں بھی اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے من صلی یرائی فقد اشرک و من صام یرائی فقد اشرک و من تصدق یرائی فقد اشرک یعنی جس نے کوئی بھی عبادت، نیکی کا کام اپنی تشہیر و تعظیم کے ارادے کے ساتھ کیا تو اس نے شرک کیا، اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ کسی قسیم (شریک) کی شرکت سخت ناگوار ہوتی ہے ایسے عمل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں اس سے بے نیاز ہوں، نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے میری امت پر شرک خفی کا خوف ہے کسی نے پوچھا کہ شرک خفی کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ریا کاری'' اس کے برخلاف کوئی عمل خالصتاً لوجہ اللہ کیا جائے تو اللہ کے یہاں اس کی قدردانی ہے، قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس کی وضاحت فرمائی گئی ہے انا لا نضیع اجر من احسن عملاً کہ ہم اچھے اعمال کو ضائع نہیں کرتے۔

رمضان المبارک کی اہم گھڑیاں چل رہی ہیں ہر بندہ مومن اپنی مقدور بھر عبادت کرتا ہے، اس میں اپنی نیت درست کر کے خالص اللہ کی رضا کے لئے کام کرے، وقفہ وقفہ سے اپنی نیت کی تجدید کرتا رہے تو انشاءاللہ تو ہمارے اعمال و عبادات سے مقصد رمضان حاصل ہو جائے گا، یہ قیام وصیام، صلوات وصدقات سے قلب میں تقویٰ، روحانیت میں ترقی پیدا ہو جائی گی، ہمارا یہ بھوکا پیاسا رہنا، راتوں میں خدا کے حضور کھڑے رہنا کارآمد ہو جائے گا، ورنہ یہ ریاضتیں، مجاہدات سب عبث و بیکار ہو جائیں گی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ رمضان کی مناسبت سے قلوب میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے، ہر صاحب ایمان بندہ بڑے خلوص کے ساتھ کچھ نہ کچھ عبادتیں کرتا ہے لیکن دین سے سے ناواقفیت کی وجہ سے ان عبادتوں میں نہ صرف نقص رہتا ہے بلکہ وہ سرے سے درست ہی نہیں ہو پاتی۔

لہذا حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ذہن نشین ہونا چاہیے ''عمل خالص ہو لیکن درست نہ ہو تو وہ مقبول نہیں اور جب عمل درست تو ہو لیکن خالص نہ ہو تو یہ بھی قبول نہیں''۔

معلوم ہوا کہ مقبول عمل وہی ہے جو احکام شرع کے موافق ہو اور صفت اخلاص سے مزین ہو۔

اللھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ

درسِ حدیث



لوگوں میں افضل صاف دل انسان ہے

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ أَیُّ النَّاسِ أَفْضَلُ قَالَ کُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ وَ صَدُوْقِ اللِّسَانِ قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُہٗ فَمَا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ ؟ قَالَ ھُوَ النَّقِیُّ التَّقِیُّ لَا إِثْمَ عَلَیْہِ وَ لَا بَغْیَ وَ لَا غَلَّ وَ لَا حَسَدَ (ابن ماجہ:۴۲۱۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سا شخص سب سے بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ہر وہ شخص جو مخموم دل اور زبان کا سچا ہو، یہ بات سن کر صحابہؓ نے کہا: زبان کے سچے کو تو ہم جانتے ہیں لیکن مخموم دل سے آپ کی مراد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مخموم دل وہ شخص ہے جس کا دل پاک وصاف ہو، پرہیز گار ہو، اُس میں کوئی گناہ نہ ہو، اُس نے کوئی ظلم نہ کیا ہے، اور نہ اُس میں کدورت وکینہ اور حسد ہو۔

تشریح: اعضائے جسمانی میں دل ایک چھوٹا سا عضو ہے، جو بہ ظاہر بدنِ انسانی کا ایک حساس حصہ ہے، لیکن درحقیقت پورے جسم انسانی کی صلاح وفساد کا دارومدار اسی پر ہے، اگر یہ معرفت ربانی کا منبع دمرکز ہے تو کفروشرک اور انکار والحاد کا محل بھی ہے، دل ایمان ویقین اور معرفت رب سے آشنا ہو تو اس کے بابرکت آثار بندۂ مومن کے اعضاء وجوارح سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ قلب ودل کی اسی اہمیت کے پیش نظر کتاب وسنت میں اُس کی اصلاح کی پُرزور تاکید کی گئی ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خبردار جسم میں ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ صحیح ہو جائے تو سارا جسم صحیح رہتا ہے، اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے ”الا وھی القلب“ اور وہ لوتھڑا

* استاذِ حدیث وفقہ ادارہ ہذا

انسان کا دل ہے، معلوم ہوا کہ دل کا ہر طرح کے نجاسات وخباثات سے پاک وصاف ہونا ضروری ہے تاکہ اعضاء و جوارح سے اعمال صالحہ کا صدور ہو سکے، اگر دل کفر وشرک اور الحاد و انکار کے تباہ کن وساوس وخیالات سے پاک ہو تو یہ بھی ضروری اور لابدی ہے کہ ہر طرح کے ادنیٰ میل سے بھی صاف ہو جو روحانیت وصالحیت کی تکمیل کے لیے مانع ہے۔

پیش نظر حدیث شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حقیقت کو بیان فرمایا: کسی پوچھنے والے نے سوال کیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر اور افضل کون شخص ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کا دل ''مخموم'' ہو اور زبان ''صدوق'' ہو، زبان کے سچے ہونے کو چونکہ ہر شخص جانتا ہی ہے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ دل مخموم ہونے کا کیا مطلب ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مخموم دل کا مطلب ایسا دل کا ہر طرح کی غل وغش اور حقد وحسد سے پاک ہو، دل اللہ تعالی کی محبت ومعرفت کا مرکز ہے۔ اگر اُس کو انوار معرفت سے منور اور تجلیات الٰہی سے روشن رکھنا چاہتے ہیں تو پھر ہر طرح کے بُرے عقائد وخیالات اور اخلاقِ رذیلہ وصفات ردیئہ (حقد، کینہ، حسد، بغض) سے اُس کو پاک رکھنا ضروری ہے، دل کی یہ حالت جس کو نصیب ہو جائے وہ وہ خوش نصیب اور نیک بخت انسان ہے جس کو قلب سلیم کی دولت حاصل ہے، جس پر نجات اخروی کا دارومدار ہے۔

رمضان کے مقدس اور بابرکت ساعات ولمحات میں ہم صبح وشام زندگی کے گذار رہے ہیں، سلوک ربانی کی برکت سے قلوب طاعات وخیرات کی طرف مائل اور معصیات ومنکرات سے مجتنب ہیں، ایسے پُرنور و پُراثر فضاء میں تھوڑی ہمت وارادہ سے ہم دل کی دنیا کو سنوار اور بنا سکتے ہیں، اس کے لیے عزم وارادہ کی قوت کے ساتھ رجوع الی اللہ اور اللہ پاک سے استعانت وتائید بھی ضروری ہے، اور نیز اہل اللہ کی صحبت ومعیتِ صادقہ یعنی اُن کے ساتھ رہے تو نور علی نور۔

اللہ پاک ہمیں مخموم دل اور صدوق زبان نصیب فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

دینی مدارس اور اُن کے جلسے

از: مدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وبہٖ نستعین، وصلی اللہ علی النبی الامین

اما بعد! بہت لمبے وقفے کے بعد قلم ہاتھ میں لیا ہوں، اگرچہ کچھ زیادہ لیاقت واستعداد نہیں لیکن توفیقِ الٰہی سے دین کے کاموں میں لگا رہتا اور امتِ مسلمہ کے لئے کیف ما اتفق فکرمند رہتا ہوں، اسی سلسلے میں اسفار کی کثرت رہتی ہے، ظاہر ہے کہ لکھنے کے لئے کچھ یکسوئی اور سکون کی ضرورت ہوتی ہے، مشاغل کے دوران کئی عنوان ایسے سامنے آتے ہیں کہ ان پر کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے مگر برجستہ وقلم برداشتہ لکھ سکنے والوں میں سے بھی نہیں ہوں، اچھے اور قابل علماء موجود ہیں مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک ماتحتی سب سے بڑا عیب ہے اور جو ماتحتی کے لئے تیار ہیں وہ عقیدت مند تو ہوتے ہیں مگر مزاج آشنا اور اشارہ شناس نہیں ہوتے جس سے مزید الجھن بڑھ جاتی ہے، البتہ جونیئر علماء اپنے اپنے طور پر بہت سے اچھے کام کر رہے ہیں جنہیں دیکھ کر خوشی بھی ہوتی ہے اور اگلے وقتوں کے لئے اطمینان بھی ہوتا ہے، کاش یہ لوگ آزاد کام شروع کرنے سے قبل اساتذہ واکابر کے ماتحت ایک مدت تک کام کئے ہوتے، میڈیسن کی ڈگری ہاؤس سرجن شِپ کے بغیر نہیں ملتی، اسی کی برکت سے ایک دن وہ سِوِل سرجن بن جاتے ہیں، وکیل ایک عرصے تک جونیئر کی حیثیت سے سینئر کی فائلیں لئے خادمانہ گھومتے رہتے ہیں، شرماتے بالکل نہیں، پھر ایک دن جج بن جاتے ہیں، یہی حال ہر اہم شعبۂ حیات کا ہے کہ نری تعلیم اور محض ڈگری کافی نہیں ہوتی تجربہ کاروں کی ماتحتی وپابندی آدمی کے علم کو مفید ومؤثر بنانے کے لئے ضروری ہوتی ہے، بڑوں کے پاس گو علم کم ہو مگر تجربہ زیادہ اور حالات کی معرفت مضبوط ہوتی ہے، بارہا دیکھا گیا کہ ماہر میستری اپنے انجینئر سے زیادہ مضبوط رائے دیتا ہے۔ الخیر!

رجب وشعبان میں احباب کی دعوت پر روزانہ ہی کسی نئے مقام پر جانا اور پروگراموں میں حصہ لینا ہوتا رہا، یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ مدارسِ اسلامیہ کے پروگرام بھی رسمیت کا لبادہ اوڑھتے جارہے ہیں، اکثر جگہ سنجیدگی؛ اثر اندازی؛ اور زمانہ شناسی کی بہت کمی محسوس ہوئی، ملک کے حالات کیا سے کیا ہوگئے ہمارا طرزِ فکر واندازِ کارجوں کا توں ہے؛ بل کہ ابتر ہوتا جارہا ہے، میں دین اور علم کی بات نہیں کررہا ہوں وہ تو یوں ہی رہے گا، طرزِ عمل اور طریقۂ کار اور اندازِ فکر کی بات کررہا ہوں۔

جس عزیمت کا اظہار اور جس جرأت کا استعمال حضرت شیخ الاسلامؒ نے انگریز کی عدالت میں کیا تھا، جو دعوے اور وعدے عطاء اللہ شاہ بخاری کیا کرتے تھے، جو بولی ابوالکلام آزاد بولا کرتے تھے، جو زبان محمد علی جوہر رکھتے تھے اُن کے مخاطب بھی ان جرأتوں کے متحمل تھے اور وہ اُنہیں سُن سکتے تھے لیکن ہم جس دور سے گذر رہے ہیں یہ تاریخ کا ایک ایسا آزمائشی اور نازک دور ہے جس کے تانا شاہ حکمراں اور اُن کی کم نگاہی، بے خبری؛ اور عصبیتِ قومی کی بہ دولت اُن کی رعایا وانتظامیہ بھی اب تنقید وشکایت کی متحمل نہیں رہی، پورے ملک کے طول وعرض میں انارکی اور نشۂ بالا دستی نظر آرہا ہے، ملک کا دستور اپنی جامعیت ونافعیت کے ساتھ موجود ہے مگر ایک صنمِ بے اثر کی طرح ہوچکا ہے، قانون کی بالکل نئی تشریحات اور جدید توجیہات سامنے آرہی ہیں، جن سے دستور کی روح مردہ ہورہی ہے، عملی طور پر عدلیہ سے زیادہ انتظامیہ بااثر ہوچکا ہے، ہر مخالف گھیرے میں لایا جارہا ہے اور ہر حق گو کو پسِ زنداں دیکھا جارہا ہے، یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے اور دل دُکھتا ہے کہ ہم لوگ جن کے اسلاف واکابر نے دوقومی نظریئے کی سخت مخالفت کی اور خونی رشتوں اور اپنوں کی قربانی دے کر اسی ملک میں رہنے کو اور ملک کے اقوام کے ساتھ یک جہتی، بھائی چارگی کو پسند کیا تھا آج دوقومی نظریئے کے وہ خود شکار ہوگئے ہیں، دن بہ دن ایک طبقے کو بالادستی وحکمرانی کا نشہ پلایا جارہا ہے اور دوسرے کو پستی ومحرومی کا سبق سکھایا جارہا ہے، تفصیل عیاں ہے بیاں کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایسے میں زبان وقلم کا جارحانہ استعمال مقاصد کے حصول میں سنگ راہ بن جاتا ہے،قول وعمل میں احتیاط وتیقظ ،عزائم وجذبات میں سنجیدگی وبیدار مغزی وقت کی ضرورت بن جاتی ہے، مسلم ممالک کے محفوظ مقررین کا اندازِ بیان؛ وہاں کے شعراء کے ترانے اور نظمیں؛ مجاہدانہ وجارحانہ تقریریں اس ملک کی موجودہ آب وہوا میں ہمارے لئے سم قاتل سے کم نہیں ہیں، بالخصوص مدارسِ دینیہ کو تو نہایت محتاط وہوش مند رہنے کی ضرورت ہے کہ ان کا کام علومِ اسلامیہ کا تحفظ ہے اور وہ امت کی سب سے بڑی ضرورت ہے، ہماری کسی بھی نادانی کا اثر مدارس کی سرگرمیوں پر پڑے گا تو ملت کی چولیں ڈھیلی ہوجائیں گی اور اس کا مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا۔

دینی نقطۂ نظر سے بھی بعض چیزیں مدارس کے پروگراموں میں مجھے قابلِ اصلاح معلوم ہوئیں، واللہ اعلم

● ایک مدرسے میں تکمیلِ حفظ قرآن کا جلسہ تھا تقریریں تو خیر جیسی بے ضرورت تھیں تھیں، ڈراموں کے نام پر عجیب مضحکہ خیز حرکتیں بھی سامنے آئیں جن سے بعض انسانوں کی تحقیر ہوتی اور بعض مرتبہ طلبہ کوگُم راہوں اور جاہلوں کا روپ دھار کر اسٹیج پر دکھایا گیا جو بہ جائے خود تحقیر واستہزاء ہے، ان باتوں پر مدرسے والے بھی مسرور اور حاضرین بھی محظوظ تھے جلسہ گاہ کے بہ جائے آڈیٹوریم کا منظر نظر آرہا تھا، میرے خیال میں اس سے بہتر ہے کہ علمی ؛ اخلاقی ؛ تہذیبی مکالمے رکھے جائیں جو سامعین وناظرین کے لئے چشم کُشا علم افزا اور مؤثر ہوں، ڈرامے ہی رکھنا ہوں تو تہذیبی کرداروں پر مشتمل ہوں جن سے ڈرامے کے کسی فریق کو تضحیک وتحقیر کے کردار سے گذرنا نہ پڑے۔

● وقت کا ضیاع بھی کئی جگہ سامنے آیا، وقت ہر عقل مند کے نزدیک انتہائی قیمتی دولت ہے قوم کا معتبر طبقہ ان پروگراموں سے اسی لئے دور ہورہا ہے کہ فضولیات ورسمیات میں ٹائم خراب ہوتا رہتا ہے، اگر آتا بھی ہے تو بلا وجہ کی تاخیر کی بنا واپس چلا جاتا ہے، یہ تجربہ ان لوگوں کو آئندہ آنے سے روک دیتا ہے، طلبہ کے پروگرام تو ہونے چاہئیں بل کہ مدارس کے جلسوں کا ایک اہم مقصد اُن کے کام اور مدرسے کی سرگرمیوں کا تعارف ہی ہوتا ہے مگر ہر جگہ کی نقل کرنے کے بہ جائے اپنے ہاں جو کام ہورہا ہے اس کی مختصرسی جھلک دکھا دینا چاہیئے تاکہ معاونین مطمئن ہوں اور عوام میں اپنے بچوں کو دینی علم سے آراستہ کرنے کا داعیہ پیدا ہو۔

● مقررین کی بہتات بھی ایک مرض ہوگیا ہے، پھر مہمانانِ خصوصی کے علاوہ مقامی علماء کا بھی ایک سلسلہ رہتا ہے، مہمانِ خصوصی کو بے زار ہونے اور نشاط سے محروم ہوجانے کے بعد بُلایا جاتا ہے، بسا اوقات پولس کا متعین کردہ وقت سر پر آجاتا ہے، نتیجتاً وہ رسمی سی بات پر اکتفاء کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے، ہزاروں روپئے کا خرچ، وقت کا ضیاع اور کام کوئی خاص نہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مختلف لوگوں کے نام سے مجمع جوڑنے کے علاوہ انتظامیہ کا کوئی مقصد ہی نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں مغرب کے بعد سے ۹ بجے تک یا دن میں ۱۰ بجے سے ایک بجے تک تین گھنٹوں میں یہ جلسے بامقصد طور پر مرتب کئے جائیں تو بہتر ہوگا، عصری تعلیمی اداروں کے پروگرام وقت کے اعتبار سے بہت منضبط نظر آتے ہیں۔

● نعتوں نظموں کی بے اعتدالیاں بھی دیکھنے کو ملیں، بعض جلسے تو گویا مشاعرہ ہی ہوگئے تھے، بعض جگہ نعت خواں داڑھی سے عاری اور مُسبل ہوتے ہیں، بسا اوقات مضمون بھی قابل اعتراض ہوتا ہے، طلبہ بھی کہیں سے سُن کے یاد کرلیتے ہیں اُن کے الفاظ تک درست نہیں کرائے جاتے، بعض جگہ طلبہ وشعراء سے گانوں اور

قوّالیوں کا انداز سامنے آتا رہا، ایک جگہ مغرب بعد ختم قرآن کا جلسہ تھا، مغرب میں پہنچ گیا، دور سے قوالیوں کی طرح آوازیں آرہی تھیں، جس کے ساتھ موسیقی بھی چل رہی تھی، پتہ چلا کہ یہ نعتیں ہیں، قریب پہونچا تو روشنی کے رنگین بلبوں سے دیوالی کا تہوار محسوس ہورہا تھا، مجھے مسجد میں بٹھا کر کوئی کھانے کو پوچھ رہا ہے کوئی آرام کر لینے کی دعوت دے رہا ہے، میں نے کہا یہ نہ آرام کا وقت ہے نہ کھانے کا تقاضہ ہے، جلسہ کب شروع ہوگا؟ بتایا گیا کہ اخیر میں آپ کو ختم قرآن کرا کے نصیحت و دعا کرنا ہے، ازاں قبل کئی مقررین ہیں، بچوں کے مظاہرے ہیں اور دوسری ریاست سے مشہور نعت خواں آئے ہیں، ان کی نعتیں بھی چلتی رہیں گی۔ میں نے کہا بھئی قانون تو ۱۰ بجے کے بعد میدانی جلسوں سے منع کرتا ہے، معلوم ہوا کہ صدر مدرسہ کا سیاسی اثر ورسوخ اچھا ہے یہ کوئی مسئلہ نہیں، میں سمجھ گیا کہ یہ رات کے ۱۱ / ۱۲ بجا دیں گے، اس لئے میں نے سختی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ جلسہ ختم کر کے گھروں میں جا کے سو جاؤ گے مجھے صبح تک سفر کرنا پھر دوسرے پروگرام میں جانا ہے اس لئے میں واپس جارہا ہوں، تب ان لوگوں نے کہا کہ پہلے آپ ختم قرآن کرا دیجئے بعد میں ہم بقیہ پروگرام رکھ لیں گے۔ یوں مجھے اس تماشے سے چھٹی ملی۔

● اکثر مدارس کے جلسوں میں ویڈیو گرافی لازماً موجود تھی اِلا ماشاء اللہ، ایسا معلوم ہورہا تھا کہ بہت بڑا قومی و ملّی پروگرام ہورہا ہے، بعض جگہ مستورات میں اسٹیج اور مجمع دکھانے کا بھی اہتمام تھا، اس کے لئے بے دین قسم کے ویڈیو گرافر اسٹیج کے بالکل روبہ رُو مسلسل متحرک نظر آتے رہے، جس کی وجہ سے حاضرین سے خطاب بہت مشکل ہوگیا، البتہ بعض مقررین کو چیزوں کا عادی بل کہ مشتاق بھی محسوس کیا گیا، چند جگہوں پر تو یہ تماشہ نظر آیا کہ درمیان مجمع میں مقررین کے اسٹیج سے بھی اونچا اسٹیج بنا کر اس کے اوپر کیمرہ نصب کیا گیا اور کیمرہ مین اُسی پر بیٹھا ہوا مسلسل ناٹک کر رہا ہے، معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ وہ مسلم بھی نہیں ہے، ظاہر ہے کہ علماء خالیُ الذہن ہو کر اور اپنوں کا مجمع سمجھ کر بات کرتے ہیں اپنی کمزوریوں اور دیگر ایسے اُمور پر اظہارِ خیال کرتے ہیں جو سب کے سامنے کرنے کی باتیں نہیں ہوتیں، کئی جگہوں پر اسی قسم کے لوگوں کو پولیس مخبر اور جاسوس بھی بنا کر رکھتی ہے، جب کہ کئی جگہ طلبہ کی تقریریں بھی نامناسب تھیں، ترانے بھی ان لوگوں کے لئے قابل اعتراض تھے، نہیں سمجھ میں آتا کہ نظماءِ مدارس کونسی دنیا میں رہتے ہیں، کیا سوچتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ جی یہ چاہتا ہے کہ مدارسِ دینیہ نصاب و نظام کے اعتبار سے اگرچہ ضرورتِ زمانہ سے ہم آہنگ کئے جائیں مگر؛ روح؛ فکر؛ اور ماحول کے اعتبار سے سلف و اکابرِ امت کے منہجِ مستقیم اور طرز قویم سے نہ ہٹیں، تدیُّن وتقویٰ کا مرکز بنے رہیں، روحانیت ونورانیت کہیں نہ ملے تو مدرسوں میں جا کے تو مِل جائے، مدرسوں کے باہر تو دین کے نام پر سب کچھ بدلا بدلا نظر

آرہا ہے، کاش! نظمائے مدارس مدارس کو نظری؛ فکری؛ علمی اور عملی اعتبار سے قدامت پسند ہی رہنے دیں، اسی کو درسگاہ اور اسی کو خانقاہ بنائے رکھیں، تاکہ مدرسے میں آکر طلبہ واساتذہ کی نظر؛ فکر: شریعت وطریقت کی جامعیت سے مطہّر اور قلب وروح علم وعمل کے نور سے منور ومجلّٰی ہوجائیں۔

● شال پوشی: گُل پوشی؛ بل کہ راستوں اور کاروں پر گُل باری، اس کے لئے دوطرفہ قطاریں، استقبال کے نام پر موٹرسائیکلوں کا جلوس اور ان حرکتوں کی وجہ سے راستوں میں اژدحام ٹریفک میں خلل اہل مدارس میں یہ بھی ایک عجیب ذوق پیدا ہوگیا ہے، یہ سب کرائے کے عقیدت مند جومہتمم صاحب کی تجویز پر جمع ہوجاتے ہیں نہ بیان سُنتے نہ اپنی اصلاحِ حال کی کچھ فکر رکھتے ہیں، پہلے ایسا منظر غیر مسلموں کے جلوسِ جنازہ میں ہمیں نظر آتا تھا اب ہمارے مدارس کے مہمانانِ کرام کے ساتھ دکھائی دیتا ہے، کوئی حرکت کہیں دیکھتے ہیں فوراً ہم لوگ اُسے اپنے کلچر میں قبول کرلیتے ہیں، ان مواقع پر ایک بے قابو جنون نظر آتا ہے نہ کوئی سننے والا نہ ماننے والا، اپنے بزرگوں کو اچھا لگے یا تکلیف ہو، موجودہ سماج میں مفید ہو یا مُضر، اس سے کوئی مطلب نہیں ظاہر ہے کہ جنون وجذبات کو نہ آنکھیں ہوتی ہیں نہ کان، پھر بڑے فخر سے اس کی ویڈیوز تیار کر کے اُسی وقت سوشیل میڈیا پر اَپ لوڈ بھی کردی جاتی ہیں۔

● طلبہ کی دستار بندی اور اعطائے سند اور اجرائے انعامات تو ضروری ہے اور اسی کے لئے یہ اجلاس منعقد کیا جاتا ہے مگر تمام مہمانوں کی شال پوشی اور ہر ایک کی شال پوشی کے لئے الگ الگ شخصیت کا اعلان ہوتا ہے اُن کے اسٹیج پر آکر شال پوشی کرنے اور سائیڈ میں کھڑے ہوکر فوٹوز نکلوانے کی حرکتیں غور کرنا چاہیئے کہ کس قدر وقت کو ضائع کرتی اور منکراتِ قبیحہ میں مبتلا کرتی ہیں، کیا اس کے بغیر مہمان تقریر نہیں کرے گا؟ اتنا وقت بیان میں بڑھ جاتا تو لوگوں کو کس قدر فائدہ ہوجاتا، کیا ہدایا بعد میں نہیں دیئے جاسکتے؟ لطف یہ ہے کہ ان فضولیات میں تو بے تحاشہ پیسہ خرچ کرتے ہیں مگر مہمانوں کے مصارفِ آمد وصرف اور ہرجانۂ اوقات میں اکثر لوگ بخل سے کام لیتے ہیں، ایک سفر میں کئی جگہ پر پروگرام ہو تو ہر داعی یہ سمجھتا ہے کہ دوسرے نے زیادہ دے دیا ہوگا، اکابر اس سلسلے میں نہ مطالبہ کرتے ہیں نہ شکوہ مگر بُلانے والوں کو چاہیئے کہ سفر کی نوعیت اور مشقت وضرورت ملحوظ رکھ کر علماء کی خدمت کریں۔

● اسی طرح بزرگ ومعمر مہمان کے قیام میں اُن کی راحت کا خیال رکھنے کے بہ جائے اپنے معاونین کی خواہش کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، بعض جگہ فرسٹ فلور میں قیام رکھا جاتا ہے، زبردستی سیڑھیاں چڑھا کر لے جایا جاتا ہے، ضرورت خانہ سپریٹ نہیں ہوتا، غیر ضروری مجمع اکھٹا رہتا اور شور مچاتا رہتا ہے، کھانے کی بہتات تو ہوتی ہے

مگر مزاج کی رعایت نہیں ہوتی، آرام کے لئے وقت نہیں رکھا جاتا، لوگوں کی فرمائش پوری کرانے میں سارا وقت نکال لیا جاتا ہے، گویا اپنے ممدوح کو نچوڑ لیا جاتا ہے، ہمیں بچپن میں یاد کرایا گیا تھا ''محض تعظیم کا نام ادب نہیں، ادب نام ہے راحت رسانی کا''۔

● ایک بڑا منکر جو عام ہو گیا ہے وہ القاب وآداب کا بے ہنگم و بے محل استعمال ہے، کس کے لئے کیا لقب حقیقت کا عکاس اور سچائی کا اظہار ہے ناظمِ جلسہ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا، لفاظی ہی لفاظی ہوتی ہے، اس پر اشعار کا جوڑ مزید مبالغہ وخلافِ واقعہ کا ثبوت ہوتا ہے، پہلے ہم لوگ ''حضرت'' کا لفظ بھی صرف اکابر علماء کے اسماء گرامی کے ساتھ پڑھتے سُنتے تھے، باقی سب کے لئے مولانا، مولوی، حافظ، قاری بہت کافی القاب ہوا کرتے تھے، آج کل کیا چھوٹے کیا بڑے سب ہی حضرت والا بن گئے ہیں، استاذ حدیث محدث کہلانے لگے ہیں، بل کہ فخر المحدثین، مفتیٔ شہر، فقہ العصر، اور ابوحنیفۂ وقت کہلایا جارہا ہے، جسے چاہے مفکرِ اسلام کا لقب مل جارہا ہے، ہر پگڑی باندھنے والے محبوب العلماء والصلحاء ہو گئے، نقش بندی ہونا یا کسی بزرگ کا خلیفہ ہونا کمالِ تصوف وطریق کی علامت بن گیا ہے۔

افسوس ہے کہ میں اپنے قلم سے ان مراکز کا حال زار بیان کر رہا ہوں جو اس وقت دین کے واحد محافظ ہیں، مدارسِ دینیہ اسلامیہ کبھی علم وعمل اور عقیدے کے محافظ تھے اور اِن کا قیام ہی دینِ اسلام کی اپنی ہیئتِ اصلی اور صورتِ مسنون میں حفاظت کے لئے کیا جاتا تھا، کتاب وسنت کے نقوش وحروف: الفاظ ونصوص: اور ہیئتِ مسنون کو اس دور میں مدارس ہی نے بچا کے رکھا ہوا ہے اور مدارس کے فضلاء ہی اپنے اسلاف سے لئے علم وعمل کی روشنی میں ہر گم کردہ راہ اور ہر منحرف ومُبدِّل کی فوری گرفت کر لیتے ہیں، اگر ہمارے افکار وخیالات اور ہمارے اشواق وجذبات تجدد کا شکار ہو کر سلف کے بنیادی کردار سے منحرف ہو گئے تو پھر یہ دین متوارث شکل اور متواتر پہچان سے محروم ہو جائے گا یعنی رسمِ اذان تو رہ جائے گی روحِ بلالی نکل جائے گی، العیاذ باللہ!

کہا جاتا ہے کہ ظاہر شاہ کی دعوت پر اکابر ہند کا ایک مؤقر وفد افغانستان میں کمزور پڑتی آبائی غیرت اور عام ہوتی مغرب پرستی کا جائزہ لینے کے لئے ہندوستان سے گیا تھا، انہوں نے وہاں رہ کر احوال کا جائزہ لیا اور اسبابِ انحراف تلاش کئے اس کی جو رپورٹ ابلیس کے مکالمے کی صورت میں اقبال مرحوم نے لکھی اس میں ابلیس کا یہ فیصلہ تمام ذمہ دارانِ مدارس کے لئے محل غور ہے۔

افغانیوں کی غیرتِ دینی کا ہے یہ علاج
مُلّا کو اس کے کوہ و دمن سے نکال دو

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو

اور بھی کچھ باتیں ذہن میں تھیں، اب یاد نہیں آرہی ہیں، مذکورہ باتوں کی روشنی میں اہلِ علم خود سمجھ سکتے ہیں۔

یہ بھی ذکر کردینا ضروری ہے کہ بعض مدارس میں جاکر نظم ونسق؛ صفائی ستھرائی؛ طلبہ میں تہذیب وتدیُّن اور عملے کی مستعدی و دل چسپی سے دل بہت خوش ہوا، بعض جگہ مکاتب کے منظَّم اور وسیع الاثر کوششوں سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں، بعض مدارس بھی اپنے انتظام سے دیہی مکاتب کی فکریں کررہے ہیں جس سے اطمینان ہوا، اس کے برخلاف بہت سے مدارس میں ان اُمور کا فقدان اور ذمہ دار و عملے کا بدّ دین ہونا اور بدانتظامی بھی دیکھنے کو ملی جس سے بہت ہی قلق وافسوس ہوا، حق تعالیٰ شعور نصیب فرمائے۔ اقبال مرحوم کی دعا پر قلم روکتا ہوں ؎

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے۔

آمین

گوشہ سیرت

''تیری مغفرت نہیں ہوگی'' یہ کہنے والا جہنم میں چلا گیا

از: مولانا محمد الیاس محی الدین ندوی بھٹکلی *

آج رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پچھلی اقوام میں سے بنی اسرائیل کے دو اشخاص کے واقعات سنائے۔

ارشاد فرمایا:۔ بنی اسرائیل میں دو دوست رہتے تھے، ایک عابد تھا اور دوسرا گناہ گار۔

عابد اپنے گناہ گار دوست کو ہمیشہ گناہ سے باز رہنے کی تلقین کرتا۔

ایک دن اس نے اس سے کہا:۔ گناہ سے رک جا۔

اس نے جواب دیا:۔ مجھے میرے رب پر چھوڑ، کیا تم کو مجھ پر نگراں بنا کر بھیجا گیا ہے؟

یہ سن کر عابد نے جواب دیا:۔ اللہ کی قسم! اللہ تیری مغفرت نہیں فرمائیں گے۔

جب دونوں کا انتقال ہوا تو رب العالمین کے پاس دونوں کی حاضری ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے عابد سے پوچھا:۔

تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ میں معاف نہیں کروں گا، کیا مجھے معافی سے روکنے پر تجھے قدرت حاصل تھی؟

گناہ گار سے کہا:۔ میری رحمت سے جنت میں جا اور عابد کے متعلق فرشتوں سے کہا کہ اس کو جہنم میں داخل کردو۔ (سنن ابوداؤد: ۴۹۰۱)

(ماخوذ، از: مجالس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص: ۲۶۷)

* استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

گوشہ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت لبابہ الصغریٰ رضی اللہ عنہا (حضرت خالد بن الولیدؓ کی والدہ محترمہ)

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

نام ونسب: حضرت لبابۃ الصغریٰؓ، ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارثؓ اور ام فضل بنت حارثؓ زوجہ محترمہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بہن تھیں، (جن کو ’’لبابہ کبریٰ‘‘ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے) اور حضرت خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ تھیں، ان کا تعلق قبیلہ قیس عیلان سے تھا۔ (اسد الغابۃ: خالد بن الولید بن المغیرۃ: ۲/۱۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت) ان کا لقب ’’عصماء‘‘ تھا، سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے، لبابہ (صغریٰ) بنت حارث بن حزن بن بجیر بن مخزوم بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان۔

شادی: لبابہ رضی اللہ عنہا کی شادی ولید بن مغیرہ مخزومی سے ہوئی، ان کے صلب سے باختلاف روایات ان کے سات یا دس یا تیرہ بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے تین بیٹوں خالد، ولید اور ہشام اور دو بیٹیوں فاطمہ اور فاختہ نے قبول اسلام کیا، دولت اسلام کے شرف سے بازیاب ہوئے۔

قبول اسلام: حضرت لبابۃ الصغریٰؓ ہجرت کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئیں اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے دستِ حق پر بیعت کیا، ان کے ایک فرزند ولید بن ولید نے ’’عمرۃ القضاء‘‘ کے بعد وفات پائی تو ان کو شدید صدمہ ہوا، ان کی نہایت ناگفتہ بہ حالت ہوگئی، حضور اکرم ﷺ نے ان کی اس ناگفتہ بہ حالت کو دیکھا تو ان کو اپنے فرزند ولید کے ماتم پر مرثیہ کہنے کی خصوصاً اجازت مرحمت فرمائی، تاکہ ان کی دل جوئی ہوسکے اور دل کی آگ بجھ سکے، چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ انہوں نے دل آگیں مرثیہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

یا عین فابکی للولید بن الولید بن المغیرۃ

کان الولید بن الولید أبو الولید فتي العشیرۃ

* ادارہ علم وعرفان، حیدرآباد، واستاذ حدیث دارالعلوم دیودرگ

(اے آنکھ! اس ولید کی یاد میں آنسو بہا جو شجاعت اور بہادری میں اپنے باپ کی طرح خاندان کا ہیرو اور نوخیز جواں سال بہادر تھا)۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرثیہ کو سنا تو فرمایا کہ تم اس کے بجائے قرآن کریم یہ آیت کریمہ کی تلاوت کرتیں تو زیادہ بہتر تھا۔ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ (سورۃ ق) (اور موت کی بے ہوشی ضرور آ کر رہے گی (اس وقت کہا جائے گا کہ) یہ وہ ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، لبابۃ بنت الحارث: ۸/۲۹۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

لیکن اکثر افراد نے ان اشعار کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جانب منسوب کیا ہے، البتہ ولید بن ولید کی ہجرت اور دوران ہجرت مصائب ومتاعب کے برداشت کرنے پر ان کی والدہ نے جو اشعار کہے تھے اس کو علامہ ابن حجرؒ نے نقل کیا ہے: ''لما هاجر الوليد بن الوليد قالت أمه:

هاجر الوليد ربع المسافة　　　　فاشتر منها جملا وناقة

(ولید نے چوتھائی مسافت طئے کر لی ہے، وہاں سے کوئی اونٹ خرید لے)

دوران ہجرت ہی ولید بن ولید کی وفات ہوئی جس پر ان کی والدہ نے یہ مرثیہ کہا۔

بلکہ اپنے فرزند حضرت خالد بن ولیدؓ کی وفات پر بھی انہوں نے بطور مرثیہ اشعار کہے تھے، جس کا تذکرہ علامہ ابن حجرؒ نے ''الاصابۃ'' میں کیا ہے، کہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا جنازہ لے جایا جانے لگا تو ایک عورت نہایت زار وقطار رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔

أنت خير من ألف ألف من القوم　　　　إذا ما كنت في وجوه الرجال

(تو لوگوں میں ہزاروں کی تعداد پر بھاری تھا، جہاں کہیں بھی تمہاری مقابلے میں جمعیت ہوتی)

حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا یہ عورت کون ہے؟ تو ان سے کہا گیا کہ یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا حضرت خالد جیسا بہادر بھی کسی عورت نے پیدا کیا ہے'' (وهل قامت النساء عن مثل خالد) (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، لبابۃ بنت الحارث: ۸/۲۹۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

وفات: تاریخ اور سیر کی کتابوں میں لبابہ صغریٰ کے سالِ وفات کا پتہ نہیں چلتا، البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک حیات رہیں۔ علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ''فقد ثبت أنها عاشت بعد وفاة ولدها خالد''

(الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، لبابۃ بنت الحارث: ۸/۲۹۹، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

خطاب

فضلائے مدارس سے

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی مدظلہ العالی کا فکر انگیز خطاب

ضبط وتحریر: مولانا ابراہیم ندیم نعمانی قاسمی*

دل جذبۂ تشکر سے جھکا جارہا ہے کہ اللہ جل شانہ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہم کمزوروں کے ذریعہ اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث طیبہ کے اصح ترین مجموعے ''صحیح بخاری شریف'' کی تدریس اور تدرس کا کام لے لیا، ورنہ احادیثِ نبویہ کا جو مقام واہتمام اسلاف کے یہاں پایا جاتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ ہم اس کے سویں کیا ہزارویں حصہ کا احساس بھی نہیں رکھتے۔

''حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت امام مالکؒ کے پاس تھا اور آپ حدیث کا درس دے رہے تھے، اس حال میں آپ کو سولہ مرتبہ بچھو نے ڈنک مارا۔ شدتِ اَلم سے آپ کا رنگ متغیر ہوگیا اور چہرہ مبارک زرد پڑ گیا؛ مگر حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منقطع نہ فرمایا۔ جب آپ مجلس سے فارغ ہوئے اور لوگ چلے گئے تو میں نے آپ سے عرض کیا: اے ابوعبداللہ! آج میں نے ایک عجیب بات دیکھی ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! مجھے بچھو نے سولہ مرتبہ ڈسا؛ لیکن میں نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وجلال کی بنا پر صبر وتحمل سے کام لیا۔'' (الشفا بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۵۲۶)

ہم درس کے دوران بات چیت بھی کرتے رہے، مذاق بھی کرتے رہے، اِدھر اُدھر دیکھتے بھی رہے اور جس قدر اہتمام وتوجہ اور جس درجہ عظمت واحترام کے ساتھ حدیثِ پاک کے پڑھنے اور پڑھانے کا عمل ہونا چاہئے تھا (اس میں کوئی تصنع نہیں کہ) وہ حق ادا نہ ہوسکا، اللہ تعالیٰ اس جرم عظیم کو معاف فرمائے اور ہماری اس بدعملی کی وجہ سے حدیثِ پاک کی برکتوں سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔ آمین

میرے عزیزو!

اللہ نے آپ پر بڑا انعام فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ مقدر فرمایا، ورنہ کتنے ہزار تلامذہ، طلبہ،

* فاضل دارالعلوم دیوبند

متعلمین دارالعلوم آئے، امتحان دیا اور خواہش ظاہر کی کہ دارالعلوم ان کو قبول کرلے؛ لیکن ان کے مقدر میں یہاں کا داخلہ نہیں تھا، روتے ہوئے واپس چلے گئے اور دارالعلوم میں ان کی تکمیل نہ ہوسکی۔ اللہ نے آپ لوگوں کو اپنے فضل سے نوازا اور دارالعلوم نے آپ کو قبول کیا اور یہاں حسبِ توفیق کسی کو ابتدا سے، کسی کو درمیان سے، کسی کو آخری سال میں داخل ہوکر تکمیل کی نعمت سے سرفراز فرمایا، اس نعمت کی قدر یہاں سے جانے کے بعد ہوگی، جب آپ اس کے درودیوار سے جدا ہوں گے، اساتذہ سے علاحدہ ہوں گے اور امتحان گاہِ عمل کے اندر پہونچیں گے اس وقت آپ کو احساس ہوگا کہ یہاں کا جو وقت گزرا ہے وہ کتنا قیمتی تھا، اور ہم نے اس کی کتنی قدر کی ہے اور کتنی ناقدری ہم سے ہوئی ہے۔

بہر حال تعلیم کا ایک رسمی مرحلہ دورۂ حدیث پر پورا ہوجاتا ہے، آگے کچھ وہ ہوں گے جو تکمیلات میں اپنے نمبرات کے حساب سے درجہ بہ درجہ داخل ہوں گے اور کچھ وہ ہوں گے؛ بلکہ اکثریت وہ ہوگی جو جاکر کام میں لگ جائے گی۔

یہ جو تکمیل کہلاتی ہے حقیقت میں یہ آغاز ہے، اصل پڑھائی تو اب شروع ہوگی، اپنے پیر پہ چلنا اور جو محنت اساتذہ نے آپ پر کی ہے یا ان کی سرپرستی میں آپ نے خود کی ہے، اس کے ثمرات اب ظاہر ہوں گے۔ یہاں تو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا گیا ہے، اب بغیر انگلی پکڑے خود سے آپ کو چلنا ہے۔

کوئی بھی چیز سیکھی جاتی ہے، تو ابتدا میں سکھانے والا ساتھ دیتا ہے، مثلاً کوئی سائیکل چلانا سیکھتا ہے تو کچھ دور تک سکھانے والے پیچھے سے تھام کر اس کے ساتھ چلتے ہیں پھر وہ خود ہی چلانے لگتا ہے، ٹھوکر کھاتا ہے، گرتا ہے، اٹھتا ہے، چلتا ہے اس کے بعد اچھی طرح چلانے پر قادر ہوجاتا ہے۔ اسی طرح بچے تیرنے کے لئے جاتے ہیں، ڈبکی لگاتے ہیں، پانی پیتے ہیں، غوطہ کھاتے ہیں، ایک مرحلہ وہ آتا ہے کہ استاذ کہتا ہے کہ اب تم تیر سکتے ہو! تو یہاں سے تیرنا شروع ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ابھی تک تو قدم قدم پر آپ کے اساتذہ آپ کی رہنمائی کرتے رہے، ایک نصاب کی آپ نے تکمیل کرلی؛ مگر حقیقت میں اپنی اس صلاحیت سے کام لینا، اور قوم تک اس امانت کو پہنچانے کے سلسلہ میں مطالعہ اور تیاری وغیرہ آپ کو خود کرنا ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اساتذہ سے بے نیاز ہوگئے، یا آپ اپنی مادرِ علمی سے لاتعلق ہوگئے، اگر کسی نے یہ سمجھ لیا کہ فاضل ہوگئے یا فارغ ہوگئے تو یہ بہت بڑی بھول ہے۔ ہمارے بڑے ہمیشہ اس بات کی تاکید کرتے رہے ہیں کہ **فارغ ہوجانے کے بعد اپنے کو اپنی مادرِ علمی، اپنے اساتذہ اور بڑوں سے مربوط رکھیں۔**

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ کی نصیحت

میں نے کسی موقع پر یہ واقعہ نقل کیا تھا، حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے ممبر، حضرت شاہ مولانا وصی اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ، مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے بانی اور مہتمم، بڑے اکابر میں سے تھے، ایک مرتبہ بنارس میں جامعہ اسلامیہ تشریف لائے ہم نے اساتذہ کو اکٹھا کیا اور درخواست کی کہ حضرت کچھ نصیحت فرما دیجئے! انہوں نے صرف ایک نصیحت کی، بھائی علماء کرام! **کبھی اپنے آپ کو مستقل مت سمجھنا، ہمیشہ کسی بڑے سے اپنے کو جوڑے رکھنا، کسی ایک کو مرکز بنا کر یا مختلف اساتذہ کرام سے مربوط رہنے کی کوشش کرنا۔ جس دن اپنے کو مستقل سمجھ لوگے تو تمہاری مثال اس بکری کی ہوگی جو ریوڑ سے کٹ کر الگ ہوجائے اور بھیڑیا اس کا شکار کرلے،** ید اللہ علی الجماعۃ **جماعت سے جڑے رہو، علماء کی جماعت سے، اساتذہ کی جماعت سے اپنے آپ کو فکری طور پر جوڑے رکھو، اس کا بہت نفع ہوگا۔**

اصلاحِ نفس کی فکر سے غافل نہ رہیں!

دوسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ علماء کو وارثین انبیاء قرار دیا گیا ہے اور انبیاءؑ کی وراثت میں صرف علم ہی نہیں؛ بلکہ تعلیمِ کتاب، تعلیمِ حکمت، تلاوتِ آیات اور تزکیۂ نفس بھی داخل ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو چار کام تھے ان سب کے ہم وارث ہیں؛ اس لیے سب سے پہلے ہمیں جہاں علم کی ترقی اور اس کی بقاء کی فکر کرنی ہے، وہیں اپنے اخلاق واعمال پر بھی نظر ڈالنی ہے، ہم بھی تزکیہ کے محتاج ہیں، ابھی ہمارا تزکیہ نہیں ہوا ہے، ہمیں تو صرف معلومات حاصل ہوئی ہیں، ہم نے تکبر کی برائی جانی ہے، تواضع کی خوبی کو معلوم کیا ہے، قناعت اور توکل کی اچھائی کو جانا ہے اور حرص اور طمع کی برائی کو پڑھا ہے؛ لیکن ہمارے اندر تواضع ہے کہ نہیں ہے؟ توکل و قناعت ہے کہ نہیں ہے؟، ابھی اس کا جائزہ لینے کی اور اس دولت کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اسی لئے ہمارے تمام اکابر نے علم کا سمندر اور علم کا پہاڑ ہونے کے باوجود ہمیشہ اپنے آپ کو کسی صاحب نسبت سے جوڑ کر رکھا، حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، مفتی اعظم عزیز الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ان جیسے اکابر سب کے سب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے یا اور نیچے والے حضرت گنگوہیؒ سے، ان کے بعد والے شیخ الہندؒ سے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے، حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ سے، اپنے آپ کو وابستہ رکھتے رہے۔

حضرت فقیہ الامتؒ اور ان کے والد ماجدؒ

میرے استاذ و شیخ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کو میں نے دیکھا کہ جب تک شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ حیات رہے، کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے، جامع العلوم کانپور میں وہ مدرسہ کے سب کچھ تھے، ناظم، مہتمم، صدر مدرس، مفتی، شیخ الحدیث سب کچھ تھے، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے ان کو یہاں بلانے کا فیصلہ کیا، ان کے پاس طلب گئی، ہمارے جیسا کوئی حریص ہوتا تو معمولی آواز پر بھی لبیک کہہ کر حاضر ہوجاتا، انہوں نے فرمایا کہ حضرت شیخ سے مشورہ کروں گا، حضرت نے مجھ کو یہاں بھیجا ہے، جب ان کا حکم ہوگا تبھی میں آؤں گا۔ دارالعلوم سے حضرت مولانا منظور احمد صاحب نعمانی اور حضرت مولانا اسعد صاحب علیہما الرحمۃ سہارنپور گئے، حضرت شیخ الحدیثؒ سے فرمایا کہ دارالعلوم کو مفتی صاحب کی ضرورت ہے آپ ان کو حکم فرمائیں! وہ بغیر آپ کے حکم کے نہیں آئیں گے، حضرت نے حکم فرمایا تب مفتی صاحب یہاں تشریف لائے۔

حضرت مفتی صاحب کے والد حضرت مولانا حامد حسن صاحب حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے، حضرت نے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ مولوی حامد! تم نہٹور چلے جاؤ، وہاں جا کر پڑھاؤ! چناں چہ پوری زندگی انہوں نے وہاں گزار دی، بہت باصلاحیت تھے، اونچی اونچی تنخواہوں پر بڑی بڑی جگہیں ان کے پاس آئیں، مگر کہتے تھے کہ میرے حضرت نے مجھے یہاں بھیجا ہے، یہیں سے میرا جنازہ نکلے گا، جب اخیر میں بیمار اور سخت علیل ہوگئے تو مفتی محمود صاحبؒ نے درخواست کی کہ حضرت! علاج کے لیے گھر چلیں! فرمانے لگے: نہ! میرا جنازہ یہیں سے نکلے گا، چنانچہ وہیں انتقال ہوا اور وہیں دفن کئے گئے، اپنے اساتذہ ومشائخ کے ساتھ تعلق کی یہ روشن مثالیں ہمارے سامنے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ جب بڑوں کا سایہ سر پر ہوتا ہے تو ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ آپ میدان عمل میں جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ اللہ آپ سے خدمت لیں گے، ممکن ہے علم کی خدمت لیں، ہوسکتا ہے امامت وخطابت کا مرحلہ آئے، باطل مذاہب اور منحرف فرقوں سے آپ کو نبرد آزمائی کرنی پڑے، ان تمام مراحل میں اگر آپ کو اپنے اساتذہ سے رہنمائی لینے کی ضرورت پڑے تو آپ اس موقع پر دریغ نہ کریں اور اساتذہ کے تعاون سے کام کرتے رہیں، ان شاء اللہ ترقی ہوگی۔

اکابر کی کتابوں کا مطالعہ کریں!

تیسری بات یہ کہ ابھی تک آپ کی ساری توجہ اپنی درسیات اور درسیات کے متعلقات پر تھی، خارجی

مطالعہ کی طرف نہیں تھی اور اگر تھی بھی تو صرف ان کتابوں کی طرف جو تقریر و تحریر میں معاون بن سکیں یا درسیات کی تیاری میں کام آسکیں؛ لیکن آپ جب میدان عمل میں جائیں گے اور آپ کو مختلف لوگوں کا سامنا ہوگا، نت نئے مسائل درپیش ہوں گے تو آپ کو ضرورت پڑے گی خارجی مطالعہ کی۔ اس سلسلہ میں میرا ایک مشورہ یہ ہے کہ اپنے اکابر کی جتنی تصنیفات دستیاب ہوسکیں، خاص طور سے اکابر اربعہ حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی اور حضرت شیخ الہند اسی طرح علامہ کشمیری وغیرہم ان حضرات کی جو کتابیں دستیاب ہوں ان کو خرید کر اپنے پاس رکھیں، ان کے علوم سے استفادہ کریں، گہرائی کے ساتھ ان کا مطالعہ کریں، خاص طور سے وہ مسائل جو ہمارے مسلک و مشرب سے مختلف ہیں، چاہے ان کا تعلق سنت و بدعت سے ہو، یا غیر مقلدیت سے، جماعتِ اسلامی سے ہو یا مستشرقین سے، یا پھر اس زمانہ میں برادرانِ وطن کی طرف سے جو اشکالات کئے جاتے ہیں ان سے، غرض ان تمام موضوعات سے متعلق کتابیں حاصل کریں اور اس کے ساتھ ساتھ بنیادی بات یہ ذہن میں رکھیں کہ ان اکابر نے جو کتابیں لکھی ہیں تو دوران تصنیف کسی معاصر کتاب سے استفادہ نہیں کیا؛ بلکہ وہ علم جو درسیات کے ذریعہ انہوں نے حاصل کیا تھا، اسی سے ان کے اندر اتنی صلاحیت پیدا ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کام لیا؛ اس لئے ہمیں بھی خارجی کتابوں پر قناعت نہیں کرنی چاہیے؛ بلکہ حدیث کی، تفسیر کی، فقہ کی، اصول کی جو کتابیں ہم نے پڑھی ہیں ان سے بھی ہمارا رابطہ مضبوط رہنا چاہئے؛ کیوں کہ انہی سے ہم کو وہ چیزیں ملیں گی جو علمی استدلال میں ہمارے کام آئیں گی۔

عوام کیسا عالم چاہتے ہیں؟

ایک اور بات یہ کہ عوام خود اپنے طور پر کتنے بھی بدعمل ہوں؛ لیکن اپنے علماء کو وہ کچھ اور شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں، آپ کی نماز، آپ کی وضع قطع، آپ کی مسجد کی حاضری، آپ کے مشاغل پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے، اور ہونی بھی چاہئے، آپ ان کے رہنما اور قائد بن کر جا رہے ہیں، کسی عامی آدمی کا پاجامہ اگر ٹخنے سے نیچے ہے تو اس کو اتنی بری نظر سے نہیں دیکھا جاتا، جتنا کہ کسی عالم کا پاجامہ ٹخنے سے نیچے ہو تو دیکھا جاتا ہے، اسی طرح کسی عام آدمی کا جھوٹ بولنا یا غیبت کرنا اتنا بڑا عیب نہیں مانا جاتا، جتنا کسی عالم کا جھوٹ بولنا اور غیبت کرنا یا بدکلامی اور بدزبانی کرنا، اسی طرح نماز کے بارے میں اگر غفلت پائی جائے گی تو عام آدمی کا جرم جس درجہ کا سمجھا جائے گا علماء کا اس سے بہت بڑا ہوگا، اسی طریقہ سے کن مجمعوں میں آپ کی شرکت ہو رہی ہے، کن تقریبات میں آپ جا رہے ہیں، رسم و رواج یا خرافات کی جگہوں پر حاضری ہو رہی ہے یا وہاں آپ بیٹھے ہوئے ہیں، نیز میوزک چل رہی ہے، فوٹو گرافی ہو رہی ہے اور آپ بیٹھے دعوت کھا رہے ہیں، تو استدلال میں لوگ پیش کریں گے

کہ فلاں کام غلط ہوتا تو فلاں مولانا صاحب، فلاں مفتی صاحب وہاں نہ بیٹھے ہوتے، یعنی آپ کی یہ بے احتیاطی دین کو نقصان پہونچائے گی، آپ جس جماعت سے وابستہ ہیں اور جس درسگاہ سے فضیلت کی سند لے کر آپ جارہے ہیں، اگر آپ کے عمل میں، اخلاق میں، معاملات میں، کوئی غلطی پائی جائے گی تو یہ دھبہ آپ کے ادارے پر لگے گا، درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے، آپ اس درخت کے پھل ہیں، آپ کو دیکھ کر لوگ درخت کے بارے میں رائے قائم کریں گے کہ وہاں کے اساتذہ کیا کرتے ہیں، وہاں پر کیا سکھایا جاتا ہے، وہاں کیسے فضلاء تیار ہوتے ہیں؟؟؟ اس لیے اپنے ادارے کی بدنامی کا ذریعہ نہ بنیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کے سامنے جواب دہی اگر ہمارے پیش نظر ہوجائے اور ذمہ داری کا ادراک ہوجائے تو پھر کسی یاددہانی کی ضرورت نہیں پڑے گی، خودبخود اس کا احساس پیدا ہوجائے گا۔

حب جاہ وحب مال

الغرض اپنے اکابر کے حوالے سے میں نے جو بات شروع کی تھی اس کی تکمیل کردوں کہ اپنے اخلاق کی درستگی اور اپنے نفس کے تزکیہ کے لئے ہمارے تمام بڑوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ کسی صاحبِ نسبت سے رابطہ قائم کر کے اپنی اصلاح کراتے ہیں، اس لئے کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا: اِلَّا مَنۡ اَتَی اللّٰهَ بِقَلۡبٍ سَلِيۡمٍ اللہ کے یہاں جو قلب سلیم لے کر جائے گا، وہی سلامت رہے گا، اِس قلب کو سلامتی والا قلب بنانا ہے، کتنے اخلاقِ رذیلہ ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں، جن کا ہم کو احساس بھی نہیں ہے۔

میں نے اپنے یہاں سے جانے کے وقت اپنے حضرت (مفتی محمود حسن گنگوہیؒ) سے پوچھا تھا کہ حضرت کچھ مختصر سی نصیحت فرمادیجئے گا تو فرمایا کہ بیٹے! دو باتوں کا خیال رکھنا! حبِ جاہ اور حبِ مال سے بچنے کی کوشش کرنا، یہ دو بہت بڑے فتنے ہیں۔ یہ بات حضرت نے اپنی طرف سے نہیں کہی؛ بل کہ آپ نے حدیث پڑھی: ماذئبانِ جائعانِ أُرْسِلا في غنَم، بأفسدَ لها من حِرصِ المرءِ على المالِ والشَّرَفِ لدينِهِ اَو کما قَال ﷺ فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیے کسی بکری کے ریوڑ پر آزاد چھوڑ دیے جائیں، تو وہ اتنا نقصان اس ریوڑ کو نہیں پہنچائیں گے، جتنا حبِ مال اور حبِ جاہ آدمی کے دین کو نقصان پہونچاتے ہیں۔ غور کیجئے دو بھوکے بھیڑیے کسی بکری کے ریوڑ میں آزاد چھوڑ دیے جائیں، ایک طرف ان کی تباہی کا تصور کیجئے ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے سب کو چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے، فرمایا: جتنی وہ تباہی مچائیں گے وہ اس سے کم ہے جتنی تباہی حب مال اور حبِ جاہ کا بھیڑیا آدمی کے دین کو نقصان پہونچاتا ہے۔ اور ہمارے طبقۂ علماء وفضلاء میں یہ دو چیزیں (اللہ

معاف کرے) بہت کثرت سے پائی جاتی ہیں، مدرسوں میں ہمارا نام نیچے کیوں آگیا؟ ہماری موجودگی میں فلاں کو ترقی کیوں دے دی گئی؟ ہماری تنخواہ میں کیوں اضافہ نہیں کیا گیا؟ ہماری تنخواہ اتنی کم کیوں رکھی گئی، یہی تو حبِ مال ہے یہی تو حبِ جاہ ہے کہ ہم مستحق تھے، ہمیں چھوڑ کر فلاں کو ترقی دیدی گئی، فلاں کو صدر مدرس بنا دیا گیا ،فلاں کو شیخ الحدیث بنادیا گیا، فلاں کو ناظم بنا دیا گیا، فلاں کو ذمہ داری دے دی گئی، فلاں کتاب کا میں مستحق تھا؛ مگر فلاں کو پڑھانے کے لئے دے دیا گیا، اس لئے اگر آپ کسی ادارہ میں جائیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے خدمت لے، تو ایک تو یہ کہ کبھی تنخواہ میں اضافہ کی درخواست خود سے نہ کرے، اور دوسرے مخصوص کتاب کے لئے ضد نہ کرے، خواہش ظاہر کرے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے فلاں کتاب مل جاتی کہ میں پڑھاؤں؛ لیکن اس طرح نہیں کہ اگر وہ کسی دوسرے کو ملے تو آپ کے دل میں اس سے کینہ یا حسد پیدا ہو اور آپ اس کو اپنا حق سمجھیں۔ حبِ مال اور حبِ جاہ یہ دو چیزیں اگر دل سے نکل جائیں تو ترقی کے راستے کھلے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ عزت عطا فرمائیں گے اور خود سے جو عزت کا طلبگار رہو گا کہ مجھے عزت دی جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انا لا نولی امرنا ہذا من ارادہ جو امارت کا طلبگار رہتا ہے، ہم اس کو امیر نہیں بناتے ہیں، تو جو بڑائی کا طلبگار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بڑائی عطا نہیں فرماتے، من تواضع لله رفعه الله و من تکبر وضعه الله جو تکبر اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتے ہیں۔

استاذ محترم کی نصیحت

جب ہماری بخاری شریف ختم ہوئی تھی تو حضرت مولانا فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بیمار رہتے تھے، انہوں نے بہت مختصر نصیحت کی تھی، جس میں انہوں نے ایک بات تو یہ کہی تھی کہ اللہ کا شکر ہے کہ اِس بیمار اور کمزور بندے سے اللہ تعالیٰ نے کتاب کی تکمیل کرادی، اس کے بعد فرمایا تھا کہ میرے عزیزو! یہ کتاب تمہارے اوپر اللہ کی حجت ہے، تمہارے سامنے احادیثِ صحیحہ کا ایک عظیم ذخیرہ آگیا، تم نے پڑھ لیا، اس کی تشریح جان لی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام تم تک پہونچ گیا، اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مجھے معلوم نہیں تھا، میں جانتا نہیں تھا، جان چکے ہو، اب جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کروگے تو پکڑ ہوگی، کیوں کہ حجت قائم ہوچکی ہے، ہاں! یہ ضرور ہے کہ کچھ چیزیں وہ ہیں کہ فرائض میں سے ہیں، ان میں کوئی اختلاف نہیں، کچھ وہ ہیں جو محرمات میں سے ہیں ان کے اندر کوئی اختلاف نہیں، کچھ فضائل کی چیزیں ہیں، ان کے اندر بھی کوئی اختلاف نہیں، جو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف ہے اور مختلف روایات ہیں، ان میں کسی ایک پر عمل کرنے والا بھی تارکِ عمل نہیں کہلائے گا، مثلاً آمین بالجہر آمین بالسر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت

ہیں، لہذا اگر کوئی بالسر آمین کہتا ہے تو وہ آمین بالجہر کا مخالف نہیں کہلائے گا، وہ تارکِ سنت نہیں ہے، اسی طریقہ سے دلائل کی روشنی میں کسی بھی مسئلہ میں اگر کسی نے ایک حدیث کو اختیار کیا ہے، کسی امام اور اس کے متبعین اس پر عمل کر رہے ہیں تو وہ بھی حدیث پر عمل کر رہے ہیں، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ہماری سند کے سب سے اوپر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نیچے ہیں ان کو معلوم ہوا کہ ان کے بھتیجے مولانا اسماعیل شہیدؒ نے رفعِ یدین شروع کر دیا ہے تو انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا عبدالقادر صاحب سے فرمایا میاں! عبدالقادر اسماعیل رفع یدین کرتے ہیں، ذرا ان سے پوچھو کیا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے ان سے پوچھا انہوں نے کہا ہے کہ لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے اس لئے میں سنت کو زندہ کر رہا ہوں! جب یہ جواب شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس پہونچا، تو فرمایا میں نے سمجھا کہ اسماعیل پڑھا لکھا ہے؛ لیکن اسے تو کچھ نہیں آتا، مخالفت وہاں کہلاتی ہے جہاں ایک سنت کو چھوڑ کر بدعت کو اختیار کیا جائے، سنت چھوڑ کر خلاف سنت پر عمل کیا جائے؛ لیکن یہاں دو سنتیں ہیں، اور ایک سنت چھوڑ کر دوسری سنت کو اختیار کرنا یہ ترکِ سنت نہیں کہلاتا۔ ہاں! ایک بات اور بھی ہے کہ آدمی کو تلفیق کرنے کی اجازت نہیں ہے کہ آزادانہ طور پر کبھی اس سنت کو کبھی اس سنت کو، اس لئے کہ عافیت ائمہ اربعہ کی تقلید کے اندر ہے تاکہ نفس اور ہویٰ سے آدمی آزاد رہ سکے اور کامل اتباعِ شریعت کر سکے۔

یاد رکھیے! دین قول سے نہیں عمل سے منتقل ہوا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بارے میں کیا فرمایا صلوا کما رأیتمونی اصلی کوئی قولی روایت آپ کو ایسی نہیں ملے گی جس میں اللہ اکبر سے لے کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک پوری نماز کا طریقہ بیان کیا گیا ہو، کوئی ایسی روایت نہیں ملے گی جس میں حج کا لبیک سے لے کر اختتام تک کا طریقہ بیان کیا گیا ہو؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہوسکتا ہے تم مجھے آئندہ نہ دیکھو، اس لیے مجھ سے حج کے ارکان کو سیکھ لو، صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو دیکھتے تو عمل کرتے اور روایت آپ نے پڑھی ہے عبداللہ ابن مسعودؓ کے بارے میں کسی شخص نے غالباً حضرت حذیفہؓ سے پوچھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کچھ بتائیے! تو انہوں نے فرمایا تھا کہ عبداللہ بن مسعود کو جانتے ہو؟ کہا کہ ہاں! جب وہ گھر سے نکلے تو ان کے ساتھ ہو جاؤ اور دن بھر ان کے ساتھ رہو اور ان کے ہر عمل کو غور سے دیکھو! کیوں؟ فانه اشبه برسول اللہ ﷺ دلا و صمتا و هديا ہر چیز میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل مشابہ ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی کتنی روایتیں آپ نے پڑھی ہیں کہ جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عادتاً یا اتفاقاً کیا ہے اس کی بھی وہ پیروی کرتے تھے، غرض دین اسی طریقہ سے آیا ہے کہ اپنے بڑوں کو دیکھ کر چھوٹوں نے عمل سیکھا ہے۔

آخری بات

جو مسلک و مشرب علمائے دیوبند کا آپ نے پڑھا اور دیکھا ہے، اگر چہ آپ اس کی مکمل تفصیلات سے واقف نہیں ہیں، یہ بھی ہمارے ہاں ایک شکایت ہے چونکہ ہمارے پاس اس پہ زور نہیں دیا جاتا اور جو دوسرے فرقے ہیں ان کے وہی امتیازات ہیں، ان کی وہی کل پونجی ہے؛ اس لئے انہی پہ سارا زور دیا جاتا ہے، کہیں آمین ورفع یدین پر زور دیا جاتا ہے، کہیں قیام ومیلاد کے دلائل فراہم کرائے جاتے ہیں، علمِ غیب اور نور وبشر کے مسائل کے دلائل بتلائے جاتے ہیں، یا بنیادی دینی تعلیم دی جاتی ہے، لیکن بہر حال سابقہ تو آپ کو ان سب سے پڑے گا تو ایسے موقع پر دو کام کرنے ہیں: ایک تو خود اپنی جگہ پر آپ مضبوط رہیں، اپنے عقیدہ و مشرب پر جمے رہیں، اس وجہ سے نہیں کہ وہ صرف آپ کے اکابر کا مسلک ہے بلکہ پوری بصیرت کے ساتھ آپ نے اسے قبول کیا ہے اور وہ تمام مذاہب ومسالک میں سب سے زیادہ مبنی بر اعتدال ہے اس وجہ سے اس کو قبول کیا ہے، اس سے قدم آپ کا ہٹنے نہ پائے، دوسرا یہ کہ اس سلسلہ کے جو دلائل ہیں جو کتابیں ہیں آپ ان کا مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

اپیل برائے دعائے مغفرت

ادارہ اشرف العلوم کے معین نائب ناظم و ناظر دار الاقامہ حافظ محمد غفران صاحب زید مجدہٗ اور ادارہ کے قدیم ترین استاذ و مفتیٔ دار الافتاء مولانا مفتی محمد لقمان صاحب زید مجدہٗ کی والدہ محترمہ قبل رمضان راہی آخرت ہوگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ پاک انہیں غریق رحمت فرمائے، مرحومہ کے جملہ حسنات کو قبول فرمائے اور سیئات کو درگذر فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، حق تعالیٰ نے اُنہیں حفاظ وعلماء کی ماں بننے کا شرف عطا فرمایا ہے اور ان کی عزت افزائی فرمائی، انشاء اللہ یہ سب لائق فرزندان اُن کے لئے ذخیرۂ آخرت اور وسیلہ نجات بنیں گے، قارئین اشرف الجرائد سے بھی گذارش ہے کہ مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت اور حتی الوسع ایصال ثواب بھی فرمائیں۔

گوشۂ رمضان

روزہ اور ہمارا طرزِ عمل

بہ قلم: مفتی محمد ابراہیم قاسمی حسامی *

رمضان المبارک کا روزہ جن مقاصد حسنہ کے حصول کی خاطر فرض کیا گیا تھا، حضرت نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ ہمارے سلف صالحین نے روزہ کے واجبات وآداب مکمل کی رعایت کر کے ان مقاصد کو پورے طور پر حاصل کیا۔ وہ حضرات دن کو روزہ رکھتے تھے اور رات قیام اللیل اور ذکر وفکر اور نماز وتلاوت میں مشغول رہتے تھے اور رمضان المبارک کے ایک ایک لمحہ کو اللہ کی عبادت میں گذارتے تھے، وہ اپنی زبانوں کو بیہودہ گوئی سے بند رکھتے تھے اور کانوں کو لغو اور فحش باتوں کے سننے سے محفوظ رکھتے تھے، ان کی آنکھیں حرام چیزوں کی طرف قطعاً نہیں اٹھتی تھیں۔ اس طرح اُن کے تمام اعضاء روزہ سے رہتے تھے؛ لیکن آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اس مبارک مہینہ کو بھی دیگر مہینوں کی طرح ضائع کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اس لیے فرض کیا تھا کہ اس کے ذریعہ روح وقلب کو فائدہ پہنچے، نفس کو کمزور کر کے دلوں کو تقویٰ کی آماجگاہ بنائیں مگر ہم نے روزہ کو شکم سیر اور معدہ کو پُر کرنے کا مہینہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ماہِ مبارک کو حلم وصبر کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا تھا مگر ہم نے اُسے غیض وغضب اور غم وغصّہ کا مہینہ بنالیا، اللہ تعالیٰ نے اُسے سکینت ووقار کا مہینہ بنایا تھا مگر ہم نے اُسے گالی گلوج اور لڑائی جھگڑے کا مہینہ بنالیا اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اس لیے فرض کیا تھا کہ ہماری عادتوں میں تبدیلی آئے مگر ہم نے سوائے کھانوں کے اوقات میں تبدیلی پیدا کرنے کے کچھ نہیں کیا۔ روزہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی قدر ومنزلت کا عرفان پیدا ہوتا ہے کیوں کہ "تُعرَفُ الاشیاءُ بِاَضْدَادِهَا" اشیاء کو ان کے اضداد کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے۔ جب تک آدمی کو بھوک وپیاس کی شدّت کا احساس نہ ہو، اُسے کھانے پینے کی سچی قدر کیا ہوگی اور جب ان نعمتوں کی قدر ومنزلت کی معرفت حاصل ہوگی تو اس کا زیادہ سے زیادہ حق ادا کرنے کی کوشش کرے گا تو اس طرح روزہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے ساتھ شکر اور اس کی عبادت پر ابھارنے میں ایک قوی اثر رکھتا ہے؛ اسی لیے ہمارے نبی کریم ﷺ نے فقر کو غنا پر ترجیح دی، اسلام صرف عادت اور نام ونمود کا مذہب نہیں ہے؛ بلکہ یہ بندہ کو اپنی بُری عادتوں کو ترک

* صدر صفہ ایجوکیشنل سوسائٹی وقار آباد تلنگانہ

کرکے احکامات الٰہیہ کا پابند بناتا ہے۔ یہ نفس وشیطان کے قدم روکتا ہے، اطاعت واتباع کے لیے صبر و استقامت ایک لازمی چیز ہے؛ لٰہذا جو شخص اپنی ذات کے مقابلہ میں اللہ کی نہیں مان کرسکتا، وہ اپنے دشمن سے کیا مقابلہ کرے گا؟ اور جس کا اپنے نفس پر قابو نہیں چلتا وہ اپنے دشمن کو کیونکر زیر کرے گا۔ اور جسے ایک دن کی بھوک و پیاس پر صبر نہیں ہوتا وہ سال بھر معصیت کو چھوڑنے پر کیسے صبر کرے گا؛ اس لیے سال میں ایک ماہ کے روزے کا حکم دے کر صبر و استقامت کی پریکٹس کرائی جاتی ہے؛ تاکہ آدمی زندگی بھر اللہ تعالیٰ کی ماننے پر آمدہ ہوسکے۔ چوں کہ خواہشاتِ نفسانیہ کو دبانے سے قوتِ روحانیہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے روزہ میں خواہشِ نفس کی شکست ہوتی ہے؛ اس لیے لازمی طور پر روحانیت کو قوت وطاقت ملے گی اور اسی جوہرِ روحانی سے آدمی انسان کہلاتا ہے تو گویا روزہ کے ذریعہ "انسانیت کی تعمیر وتشکیل" ہوتی ہے۔

ماہرین نفسیات نے اپنے علم وتجربہ کی بنیاد پر یہ بات کہی ہے کہ ارادوں میں پختگی اور عزائم میں پائیداری پیدا کرنے والی روزہ سے زیادہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے، ان سب مصالح کے علاوہ سب سے اہم بات جو روزہ سے حاصل ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردینا ہے اور یہ تسلیم اور خودسپردگی ہر عبادت کا حاصل اور خلاصہ ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (البقرہ) ہم نے سنا اور قبول کیا تیری بخشش چاہتے ہیں، اے ہمارے رب اور تیری طرف لوٹ کر جانا ہے۔) اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (یقیناً میری نماز اور میری دیگر عبادتیں اور میری حیات اور موت سب اللہ ہی کے لیے ہے کسی اللہ والے نے فرمایا: رمضان کا مہینہ ایک عجیب نعمت کا مہینہ ہے، زمینی مخلوق کو کچھ وقت کے لیے آسمانی مخلوق بنادینے والا مہینہ ہے، ایسی غیر معمولی اور نادر نعمت ملنے پر اس کی قدر نہ ہو تو بڑی محرومی کی بات ہے۔

دعا کی حقیقت: حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: آج کا مسلمان دعاؤں سے بہت غافل ہے اور جو دعا کرتے بھی ہیں اُن کو دعا کی حقیقت معلوم نہیں، مسلمانوں کے سامنے دعا کی حقیقت کو واضح کرنا چاہیے۔ دعا کی حقیقت ہے اپنی حاجتوں کو بلند بارگاہ میں پیش کرنا، پس جتنی بلند بارگاہ ہے اتنا ہی دعاؤں کے وقت دل کو متوجہ کرنا اور الفاظِ دعا کو تضرع وزاری سے ادا کرنا چاہیے اور یقین اعتماد کے ساتھ دعا کرنا چاہیے کہ ضرور قبول ہوگی؛ کیوں کہ جس سے مانگا جا رہا ہے وہ بہت سخی اور کریم ذات ہے اپنے بندوں پر رحیم ہے، زمین وآسمان کے خزانے سب اسی کے قبضہ میں ہیں۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رح مؤلفہ: حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ ص:۹-۵۰۴، ملفوظ نمبر: ۵۳، ط: مدنی کتب خانہ، دیوبند)

ناگوار حالات، وباؤں اور مصائب و پریشانیوں سے نجات کے لیے دعاؤں کے اندر جو قوی تاثیر ہے اُس کے سامنے دوسری سب تدابیر اور کوششیں ہیچ ہیں، خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے سامنے بے سہارا بندے کا جلوت وخلوت میں دست بستہ راز و نیاز، آہ و زاری، اپنے گناہوں کا اعتراف، رحمت کی دُہائی اور پھر اس کے جواب میں خدائے رحیم وکریم کا عفو و درگذر، رحم وکرم اور حاجت برآری ایک ایسا باب ہے جسے سارے دین کا خلاصہ اور لبّ لباب کہا جاسکتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ دعا قبول تو ضرور ہوتی ہے؛ مگر صورتیں اس کی مختلف ہیں: کبھی وہی چیز مل جاتی ہے اور کبھی اس کے لیے اس دعا کا اجر جمع ہوجاتا ہے، اور کبھی اس کی برکت سے کوئی بلا ٹل جاتی ہے، غرض اس دربار میں ہاتھ پسارنے سے کچھ نہ کچھ مل کر رہتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود ہم میں سے اکثر لوگوں کو عوام وخواص سبھی کو اس سے محض بے رغبتی و بے توجہی ہے حتیٰ کہ جو معمولی اوقات دعا کے ہیں جیسے نماز پنجگانہ ان میں بھی بہ جز رٹے ہوئے کلمات پڑھ لینے کے اصلاً الحاح یا دلچسپی کا اثر تک نہیں، اور اس تصور سے دعا کرنے کا تو ذکر ہی کیا کہ یہ عرضداشت اللہ تعالیٰ کی جنابِ پاک میں پیش کردینا اور بار بار درخواست گذارنا کامیابی کا ایک موثر اور اعلیٰ درجہ کا طریقہ ہے، جس طرح اپنے بعض حوائج کے لیے دنیا کے امراء وحکّام سے بار بار التجا کرنا اپنی مطلب برآری کا قوی ذریعہ سمجھا جاتا ہے اور تکرارِ عرض ومعروض سے روزانہ امیدیں اور امنگیں ابھرتی اور تازہ ہوتی ہیں، اگر کوئی بڑی ہی مصیبت پڑتی ہے اور ہاتھ پاؤں مارنے سے کام نہیں چلتا تب بہ مجبوری اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے، وہ بھی دعا کے ساتھ نہیں؛ بلکہ بڑی فکر یہ ہوتی ہے کہ کوئی وظیفہ کوئی مجرب عمل مل جائے خواہ شرع کے موافق ہو یا مخالف، اس کی کوئی پروا نہیں، اس لئے ہمیں اپنا طرزِ عمل بدلنے کی ضرورت ہے اور خوب جی لگا کر یقین کے ساتھ ان کلمات میں جو اللہ ورسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم فرمودہ ہیں دعاؤں کا اہتمام بھی کرنا چاہیئے۔

گوشۂ رمضان

شب قدر کی قدر کریں!

از: مولانا محمد کبیر الدین قاسمی*

اللہ رب العزت نے شب و روز بنا کر ان کے مخصوص مقدار کو ہفتہ، مہینہ اور سال مقرر کیا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ کہ مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوح محفوظ میں بارہ ہیں جس وقت کہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار ماہ عزت وحرمت کے ہیں۔

البتہ یہ سب یکساں نہیں ہیں بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے چنانچہ ہفتہ کے سات دنوں میں یوم جمعہ کو اور سال کے بارہ مہینوں میں رمضان المبارک کو فوقیت دی گئی ہے، اسی طرح رب کریم نے سال کے تین سو ساٹھ دنوں میں شب قدر کو خاص فضیلت دی ہے اور اس کی فضیلت پر باضابطہ سورۃ القدر نازل فرمائی ہے، شب قدر کی مختلف خصوصیات وفضائل ہیں جو اس کو دیگر راتوں سے برتر اور بلند تر بناتی ہیں چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

(الف) لیلۃ النزول: یعنی اللہ جل شانہٗ نے شب قدر میں قرآن مجید کو لوح محفوظ سے سماء دنیا پر نازل کیا ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ کہ ہم نے اس قرآن کریم کو شب قدر میں اتارا ہے۔

(ب) لیلۃ المبارکۃ: کہ شب قدر میں خیر و بھلائی اور رحمت و برکت کا بکثرت نزول ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا قول ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (سورۃ الدخان) کہ ہم نے اس قرآن مجید کو نہایت بابرکت شب میں نازل کیا ہے، اکثر مفسرین حضرات کے نزدیک لیلۃ مبارکۃ سے مراد لیلۃ القدر یعنی شب قدر ہے اور ابن کثیر، امام رازی اور علامہ قرطبی رحمہم اللہ نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ اس تفسیر کے اعتبار سے شب قدر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ نہایت بابرکت اور خیر و بھلائی کی رات ہے جسے عربی زبان میں (لیلۃ المبارکۃ) کہا جاتا ہے۔

(ج) لیلۃ الخیر: اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں شانِ کریمی کے ساتھ شب بیداروں کے جانب متوجہ ہوتا ہے، اور دریائے رحمت پُرجوش ہوتا ہے، ایک شب میں عبادت پر ہزار ماہ کی عبادت کا ثواب

* استاذِ حدیث وناظمِ تعلیمات ادارہ ہذا

عنایت ہوتا ہے، فرمان خداوندی ہے لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ کہ لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

ماہ رمضان کی آمد پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا تھا اس خطبہ میں فرمایا: ان هذا الشهر قد حضركم وفيه ليلة خير من الف شهر من حرمها فقد حرم الخير كله ولا يحرم خيرها الا محروم (سنن ابن ماجہ: ۱۶۴۴) کہ یہ ماہ رمضان تم سے قریب آچکا ہے اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو اس شب کو پانے سے محروم رہا وہ تمام بھلائیوں سے محروم رہا ہے کہ اس رات کے خیر سے بدنصیب شخص ہی محروم رہتا ہے، اور نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر میں ایک عبادت ہزار ماہ کی عبادت کے مماثل ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے۔ اگر ان مہینوں کو سال میں تبدیل کیا جائے تو ۸۳؍سال ۴؍ماہ ہوتے ہیں، پس کسی نے ایک شب قدر کو پالیا اور اس میں عبادت کی توفیق ہوگئی تو گویا کہ اس نے ۸۳ سال مسلسل عبادت کی، سبحان اللہ! کیا عنایت اور لطف ہے اس خاکی انسان پر۔

(د) نزول الملائکۃ: شب قدر کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اُس میں فرشتے اور روح زمین پر اترتے ہیں۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿۴﴾ کہ اس شب میں فرشتے اور روح اپنے رب کے حکم سے تمام امور کے ساتھ نزول کرتے ہیں، چوں کہ شب قدر میں بکثرت رحمت و برکت کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت عبادت گزار بندوں کی جانب ہوتی ہے۔ اس لئے بحکم الٰہی فرشتے اور روح الامین یا خاص صنف کے فرشتے رحمت و برکت کے ساتھ اترتے ہیں اور بقول صاحب قرطبی کے دعا کرنے والوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔

(ہ) لیلۃ الفصل والقدر: یعنی اللہ جل شانہ اس شب میں بندوں کی قضاء وقدر اور دیگر تکوینی امور جو سال تمام پیش آنے والے ہیں فرشتوں کو اس کی تنفیذ کے لئے حوالے کرتا ہے اور فرشتے اسی کے مطابق دنیا میں امور مفوضہ کو انجام دیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿۴﴾ آیت شریفہ میں ''كُلِّ أَمْرٍ'' سے مراد امور قضاء وقدر ہیں، اس کو سورۂ دخان کی اس آیت کریمہ میں بہ وضاحت ذکر کیا گیا ہے فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿۴﴾ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا ۚ اسی رات میں ہر محکم معاملہ ہمارے حکم سے طے کیا جاتا ہے۔ یہ امر محکم بندوں کی قضا وقدر ہے، مثلاً موت وحیات، رزق کی فراخی وتنگی، خوش حالی وخشک سالی وغیرہ کا حکیمانہ وحاکمانہ فیصلہ ہوتا ہے، مزید تفصیل کے لئے تفسیر ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ ملاحظہ کریں۔

(و) لیلۃ السلام: شب قدر کی ایک فضیلت یہ ہے کہ یہ شب خیر کی کثرت اور بے شمار برکت کے نزول

کی وجہ سے تمام آفات وشرور سے سالم ومحفوظ ہے اور یہ کیفیت غروب آفتاب سے طلوع فجر تک رہتی ہے۔
اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ کہ سراپا سلامتی ہے یہ شب جو مسلسل فجر کے طلوع ہونے تک قائم رہتی ہے۔ جمہور علماء کے یہاں یہی تفسیر ہے اگر چہ کہ بعض حضرات نے دوسری بھی تفسیر کی ہے جیسا کہ حضرت شعبیؒ نے یہ تفسیر کی ہے کہ شب قدر میں فرشتے اہلِ مساجد کو سلام کرتے ہیں جو سلسلہ غیبوبتِ شمس سے طلوع فجر تک چلتا ہے۔ اور حضرت کلبیؒ کہتے ہیں کہ اس رات فرشتے اترتے ہیں اور جب جب بھی کسی مومن مرد یا عورت سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ فرشتے رب دو جہاں کی طرف سے سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی)

(ز) لیلة الغفران: اس شب میں عبادت گزاروں کی بخشش ہوتی ہے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا من قام لیلة القدر ایمانا و احتسابا غفر الله له ما تقدم من ذنبه جو شخص ایمان ویقین کے ساتھ باعث ثواب جانتے ہوئے لیلۃ القدر میں قیام کرے تو ربِ غفار اس کے پچھلے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔ تو اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ شب قدر گناہوں کی مغفرت اور پردہ پوشی کی رات ہے۔

لہٰذا جو رات اس قدر خصوصیات وامتیازات کی حامل ہے اس رات کی جستجو وتلاش اور اس کو پانے کی فکروں میں سرگرداں رہنا ہر اہل ایمان کا قلبی شوق وذوق ہوگا اور کیوں نہ ہو جب کہ کوئی شخص شب قدر کو پالے اور توفیق عبادت ہوجائے تو زہے قسمت ۸۳ ؍سال چار ماہ سے زیادہ عبادت کا ثواب مل گیا۔ شب قدر کی حتمی تعیین نہیں کی گئی ہے شاید اس لئے کہ بصورت تعیین اسی ایک رات کی عبادت پر اکتفاء کر لینے سے بچا جائے اور اس کو پانے کے لئے شبہا شب عبادتوں کا اہتمام کیا جائے تو جیسا کہ آج کل مشاہد ہے کہ ۲۷ ؍رمضان المبارک کو شب قدر مان لیا گیا ہے اور اسی ایک رات میں جاگ کر عبادت کا اہتمام ہوتا ہے اور دیگر راتوں میں فرض نماز تک سے غافل رہتے ہیں، صد حیف مسلمانوں پر!

یہاں علاقۂ تلنگانہ میں تو ایسی راتوں کو۔ جگنے کی رات ہے کا نام دے دیا گیا ہے، بس کیا ہے، کسی مقرر کی تقریر کچھ دیر سن کر رات تمام ہوٹلوں میں دوست واحباب کے ساتھ گپ شپ میں بلکہ بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ غیبتوں تک میں گزار دیتے ہیں۔ الامان، الحفیظ یا پھر گروپ کی شکل میں بے مہار بائیک چلاتے گزار دیتے ہیں جس سے گذرنے والوں اور اہل محلہ کو تکلیف پہنچتی ہے، اس طرح رات گزارنے سے بہتر تو سو جانا ہے کہ نہ پایا نہ کھویا۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہم سب کو عبادت کی توفیق دے کر اپنے مخلص بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین

گوشۂ رمضان

بندۂ نیاز مند ربِّ بے نیاز کے در پر!

ازقلم: مولانا محمد عمر قاسمی کاماریڈی*

رمضان المبارک کا مہینہ طاعات وعبادات کا سیزن، اور مغفرتِ ربانی اور جہنم سے خلاصی کا خوشگوار موسم ہے، یہ مہینہ جہاں گناہ گاروں اور عاصیوں کے حق میں مغفرت و بخشش کا تحفہ ہے تو وہیں نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لئے رحمت و برکت اور تقربِ خداوندی کا ذریعہ ہے، جس کے بے شمار فضائل و برکات اور اہمیت وعظمت کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں، اس ماہ کا ایک ایک لمحہ بے حد قیمتی اور اس کی ساعات بڑی عظیم الشان اور گراں بہا ہیں، آدمی کی نیک بختی اور خوش نصیبی یہ ہے کہ وہ ان مبارک گھڑیوں کی قدردانی کر کے اس کو عبادت و بندگی اور خیر و بھلائی کے کاموں میں صرف کرے، اور اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کی کوشش کرے؛ لیکن حرماں نصیب اور بدقسمت آدمی وہ ہے جو اس ماہ مبارک کی اہمیت وعظمت سے چشم پوشی کرتے ہوئے ان اوقات کو یوں ہی بیکار کاموں میں گنوادے، اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اس بددعا کا مستحق ہو کر اپنے آپ کو ہلاکت و بربادی کا حصہ دار بنائے؛ لیکن قربان جایئے ربِ رحمٰن کی لامتناہی رحمت پر کہ اس نے صرف رمضان کا مہینہ ہی عطا نہیں کیا؛ بلکہ عبادات میں یکسوئی اور دلجمعی کے لئے شیاطین کو قید کردیا، اور فرائض کے ثواب کو ستر گنا مضاعف کردیا، اور اس پر مستزاد یہ کہ بندے کم ازکم آخری عشرہ میں یکسوئی سے عبادت و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو کر اپنی مغفرت کرالیں، اس یکسوئی کے لئے شریعت نے آخری عشرہ میں ''اعتکاف'' کو سنت قرار دیا، جس کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ پوری پابندی سے اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ ان سب سے مقصود بس مغفرت و بخشش ہے؛ کیوں کہ رحمت خداوندی تو صرف بہانہ ڈھونڈتی ہے؛ جیسا کہ مشہور ہے: "رحمتِ حق بہانہ می جوید"۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعتکاف کا اہتمام

چنانچہ متعدد احادیث و روایات سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پابندی سے اعتکاف کرنا معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ

* فاضل دارالعلوم دیوبند

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری دس دنوں کا اعتکاف کرتے تھے۔(صحیح البخاری:3/ 47)

اور اسی طرح امی جان حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں کا اعتکاف کیا کرتے تھے؛ یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی۔(صحیح البخاری:3/ 51)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر رمضان میں دس دن اعتکاف کرتے تھے؛ لیکن جو آپ کی وفات کا سال تھا تو آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا۔

علما نے لکھا ہے کہ آپ نے بیس دن کا اعتکاف اس لیے فرمایا تھا کہ آپ کو منکشف ہو گیا تھا کہ یہ آپ کا آخری رمضان ہے، آپ نے چاہا کہ اعمالِ خیر میں کثرت کی جائے؛ تاکہ امت کو عملِ خیر میں جدوجہد کرنا ظاہر ہو جائے اور بعض نے کہا کہ یہ بیس دن کا اعتکاف اس لیے تھا کہ آپ نے اس سے پہلے سال رمضان میں سفر ہو جانے کی بنا پر اعتکاف نہیں کیا تھا، اس لیے پچھلے سال اعتکاف نہ کر سکنے کی تلافی کرنے کے لیے اس سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

مختصر یہ کہ اعتکاف کا عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں بڑی فضیلت والا اور اہم عمل تھا جس پر آپ نے اتنی سختی سے مواظبت و پابندی فرمائی؛ اسی وجہ سے اولیاء کرام، صلحاء عظام اور بزرگانِ دین کے پاس بھی رمضان میں خاص طور پر اعتکاف کا اہتمام کیا جاتا تھا، اور آج کے اس عدیم الفرصتی کے دور میں بھی بہت سے مشائخ کے پاس اجتماعی طور پر اعتکاف کا اہتمام کرتے ہیں ان کی صحبت سے فائدہ اُٹھانے کے لئے سالکینِ طریقت اور طالبینِ شریعت بھی شریک اعتکاف ہو جاتے ہیں تاکہ اپنی عبادت کے ساتھ اُن سے استفادہ کریں اور اپنے اوقات کو مشائخ کے نظام العمل کے مطابق گذار کر عبادتوں کے ماحول میں ڈھل جائیں، اور اپنے لئے دنیا و آخرت میں سرخروئی و سرفرازی کا سامان کر لیں۔

اعتکاف کے فضائل، اور فوائد و ثمرات

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں اعتکاف فرمایا اور پھر دوسرے عشرہ میں بھی، پھر ترکی خیمہ سے جس میں اعتکاف فرما رہے تھے، سر باہر نکال کر ارشاد فرمایا: کہ میں نے پہلے عشرہ کا اعتکاف شبِ قدر کی تلاش اور اہتمام کی وجہ سے کیا تھا، پھر اسی وجہ سے دوسرے عشرہ میں کیا، پھر مجھے کسی بتلانے والے (فرشتہ) نے بتلایا کہ وہ رات اخیر عشرہ میں ہے۔ لہٰذا جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف کر رہے ہیں وہ اخیر عشرہ کا بھی اعتکاف کریں۔ مجھے یہ رات دکھلا دی گئی تھی پھر بھلا دی گئی، (اس کی علامت یہ ہے کہ) میں نے اپنے آپ کو اس رات کے بعد کی صبح میں گیلی مٹی میں سجدہ کرتے دیکھا، لہٰذا اب اس

کو اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

راوی کہتے ہیں: کہ اس رات میں بارش ہوئی اور مسجد چھپر کی تھی وہ ٹپکی اور میں نے اپنی آنکھوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک پر کیچڑ کا اثر اکیس (۲۱ ویں) کی صبح کو دیکھا۔(صحیح البخاری (3/48)

پس معلوم ہوا کہ اعتکاف کی عبادت کے ذریعہ شبِ قدر کا حصول متوقع ہے۔

اور اعتکاف کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ معتکف گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لیے نیکیاں اتنی ہی لکھی جاتی ہیں جتنی کہ کرنے والے کے لیے۔(سنن ابن ماجہ:1/567)

اس حدیث میں اعتکاف کرنے والے کے لیے اتنی نیکیوں کی بشارت سنائی گئی ہے جتنی کہ کرنے والے کے لیے، مطلب یہ ہے کہ اعتکاف کرنے والا اعتکاف کی وجہ سے بعض نیک اعمال نہیں کرسکتا، مثلاً مریض کی عیادت، جنازہ میں شرکت وغیرہ، ایسے اعمال کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اعتکاف کرنے والا اگرچہ یہ اعمال نہیں کرتا؛ مگر اس کو اتنا ہی ثواب دیا جاتا ہے جتنا کہ کرنے والے کو دیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے اور کوشش کرے اس کے لیے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے، اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کے واسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ فرما دیتے ہیں جن کی مسافت آسمان اور زمین کی مسافت سے بھی زیادہ ہے۔(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:2/108)

خلاصہ یہ کہ اعتکاف کی عبادت شبِ قدر کو پانے کا آسان ذریعہ ہے، گناہوں اور نافرمانیوں سے بچاؤ کا سبب ہے، اور جہنم سے خلاصی کا پروانہ ہے، اور عمل نہ کرنے کے باوجود ثواب کا مستحق ہونا ہے۔

ہماری صورت حال:

شریعت نے آخر عشرہ کی جس قدر فضیلت اور اہمیت بتائی ہے اتنی ہی غفلت و لا پرواہی، بے اعتنائی اور بے توجہی ہماری جانب سے پائی جاتی ہے، اللہ معاف کرے! ہم لوگ آخر عشرہ عید کی تیاری کے نام پر بازاروں کے چکر کاٹنے، ایک دکان سے دوسری دکان اشیائے خورد ونوش کی خریداری، اچھے اچھے مزہ دار کھانے اور انتہائی شیریں مشروبات اور بہترین ملبوسات کے انتظامات میں حد درجہ مصروف رہتے ہیں۔

اور دین سے دور بعض تاجرین تو دکانوں کو سجانے، سامان کے منگوانے، گاہکوں کو فروخت کرنے میں اس قدر مشغول ہیں کہ نہ روزوں کا کوئی اہتمام ہوتا ہے نہ نمازوں کی کوئی فکر، نہ تسبیح وتلاوت کا کوئی ذوق ہے اور نہ ہی تراویح پڑھنے کی کوئی فکر؛ حد تو یہ ہے کہ طاق راتوں میں بھی انتہائی غفلت برتی جاتی ہے، نہ عبادت کے لئے

وقت فارغ کرتے ہیں اور نہ ہی دعا اور توبہ کا دھیان؛ جب کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس شخص کے لئے ہلاکت وبربادی کی بددعا فرمائی جس نے رمضان کا مہینہ تو پایا؛ لیکن اس کے باوجود بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی ہو، اللہ محفوظ رکھے!

اور خواتین تو اس میدان میں مردوں سے کہیں زیادہ آگے بڑھی ہوئی ہیں جن کا اکثر وقت بازاروں کی نذر ہوجاتا ہے، اور ادھر سے اُدھر گھومنے پھرنے میں دن یوں ہی گذر جاتا ہے اور رات بھی اسی میں بیت جاتی ہے، بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، اللہ حفاظت فرمائے!

چند دن سے تھے نہایت ہی پس و پیش میں ہم
چپ ہی رہ جائیں کہ اظہار خیالات کریں
پھر یہ سوچا کہ پس و پیش کا اب وقت نہیں
ہم نشیں آ! ذرا دل کھول کے کچھ بات کریں

یہی وجہ ہے کہ امام زہریؒ فرماتے ہیں: کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ انہوں نے اعتکاف کی سنت کو چھوڑ رکھا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض امور کو انجام دیتے تھے اور ان کو ترک بھی کرتے تھے؛ لیکن جب سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اس وقت سے لے کر وفات تک بلا ناغہ آپ اعتکاف کرتے رہے، کبھی ترک نہیں کیا؛ البتہ ایک سال اعتکاف نہ کرسکے تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (کمافی الحدیث)

شب قدر کی فضیلت اور شب بیداری کا اہتمام

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ایک بڑی عظیم الشان رات ہے، جسے ہم "لیلۃ القدر" اور "شب قدر" سے تعبیر کرتے ہیں اس کے کتاب وسنت میں بہت فضائل بیان کیے گئے ہیں؛ ہاں اس کی تعیین اٹھالی گئی ہے کہ وہ متعین طور پر معلوم نہیں ہے کب ہو! البتہ رمضان المبارک اور پھر خاص کر آخری عشرہ اور پھر اس میں بھی طاق راتوں میں اس کے ملنے کا زیادہ امکان ہے؛ کیوں کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: تَحَرَّوْا الـلَّيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوَتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔ (مشکوۃ المصابیح عن البخاری) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لیلۃ القدر کو رمضان کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

طاق راتوں سے مراد: 21، 23، 25، 27، 29 ویں راتیں ہیں، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ رمضان المبارک کے پورے مہینے میں راتوں کو عبادت کی کوشش کرے، اگر پوری رات مشکل ہو تو کچھ وقت، ورنہ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر تراویح پڑھے اور اس کے بعد دو، چار رکعت پڑھ کر سوجائے، یا سحری میں

بیدار ہوکر دو چار رکعات تہجد پڑھ لے اور صبح فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لے تو اسے بھی ان شاء اللہ شبِ قدر مل جائے گی۔

رہے شب قدر کے اعمال! تو اس بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر مجھے شب قدر کا پتا چل جائے تو کیا دعا مانگوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہو: **اَللّٰھم إِنّک عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ** (ترمذی) "اے اللہ! تو بے شک معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے پس مجھے بھی معاف فرما"۔

یہ نہایت جامع دعا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے آخرت کے مناقشہ سے معاف فرمادیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔

خلاصۂ تحریر:

رمضان المبارک کا مہینہ ہمارے لئے ایک بہت ہی سنہرا موقع ہے جس کے ذریعہ ہم اپنی زندگی میں تبدیلی لاسکتے ہیں، اس ماہِ مبارک میں چونکہ عبادتوں کا ماحول ہوتا ہے تو ہم اس بات کی کوشش کریں کہ ہم بھی عبادتوں میں پیچھے نہ رہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وفی ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ** (المطففین: ۲۶) " جو لوگ ایک دوسرے پر بازی لے جانا چاہتے ہیں، ان کو ایسی ہی چیز میں بازی لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

لہذا ہم اولاً تو اس بات کی کوشش کریں کہ ہم اس ماہ مبارک میں عبادت سے پیچھے نہ رہیں اور مغفرتِ خداوندی سے محروم نہ ہوں، اور دوم اس بات کا عزمِ مصمم کریں کہ جو اعمال، عبادات اور کارِ خیر ہم رمضان میں کررہے ہیں ان کو رمضان کے بعد بھی باقی رکھیں گے، اور اسی طرح مساجد سے جڑے رہیں گے، علمائے کرام سے تعلقات قائم کریں گے، اور قرآن کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑے رکھیں گے ان شاء اللہ!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس رمضان کو ہمارے حق میں نافع اور کارآمد بنائے، اور زندگیوں میں انقلاب اور تبدیلی لانے کا ذریعہ بنائے، اور اپنی رضا نصیب فرمائے، اور باقی ماندہ ایام کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین

گوشۂ رمضان

مسنوناتِ عید اور ہماری صورتحال

از: حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی

عید الفطر کا دن مسلمانوں کے لیے بڑی مسرت اور خوشی کا دن ہے اور یہ خوشی اس بنا پر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے رمضان شریف کے روزے رکھنے کی توفیق بخشی اور شب میں تراویح ادا کرنے اور اس میں کلامِ الٰہی پڑھنے اور سننے کی سعادت عطا فرمائی، حق تعالیٰ کے نزدیک عید کا دن اور عید کی رات دونوں ہی بہت مبارک اور بڑی فضیلت والے ہیں، جس کا اندازہ آپ کو اس حدیث سے ہوگا۔

عید اور شبِ عید کی خاص فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جنت کو رمضان شریف کے لیے خوشبوؤں کی دھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان کی خاطر آراستہ کیا جاتا ہے، پس جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے، جس کا نام مثیرہ ہے، جس کے جھونکوں کی وجہ سے جنت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں، جس سے ایسی سریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی نہیں سنی، پس خوش نما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنت کے بالاخانوں کے درمیان کھڑے ہو کر آواز دیتی ہیں کہ کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنے والا، تاکہ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو ہم سے جوڑ دیں؟ پھر وہی حوریں جنت کے داروغہ رضوان سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے؟ وہ لبیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ رمضان شریف کی پہلی رات ہے، جنت کے دروازے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے آج کھول دیے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ رضوان سے فرما دیتے ہیں کہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کر دو اور جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور سرکش شیاطین کو قید کرو اور گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان کی ہر رات میں ایک منادی کو حکم فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ ہے کوئی مانگنے والا جسے میں عطا کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کون ہے جو غنی کو قرض دے ایسا غنی جو نادار نہیں؟ ایسا پورا پورا ادا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ رمضان شریف میں روزانہ افطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے خلاصی مرحمت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہو چکے تھے اور جب رمضان کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے تھے ان کے برابر اسی ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں اور جس رات شب قدر ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ حضرت جبرئیل کو حکم فرماتے ہیں وہ فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، ان کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے، جس کو کعبہ کے اوپر کھڑا کرتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سو بازو ہیں، جن میں سے دو بازؤں کو صرف اسی رات میں کھولتے ہیں جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیتے ہیں، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کو تقاضا فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات میں کھڑا ہو یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، اس کو سلام کریں اور مصافحہ کریں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہیں، صبح تک یہی حالت رہتی ہے، جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیل علیہ السلام آواز دیتے ہیں کہ اے فرشتوں کی جماعت! اب کوچ کرو اور چلو۔ فرشتے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے مؤمنوں کی حاجتوں اور ضرورتوں میں کیا معاملہ فرمایا؟ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرما دیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ! وہ چار شخص کون ہیں؟

ارشاد ہوا کہ: ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو۔ دوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو۔ تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا اور ناطہ توڑنے والا ہو۔ چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا اور آپس میں قطع تعلق کرنے والا ہو۔

پھر جب عید الفطر کی رات ہوتی ہے تو اس کا نام آسمانوں پر لیلۃ الجائزہ انعام کی رات سے لیا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں، وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں، راستوں کے سروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنات اور انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت! اس کریم رب کی درگاہ کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے بڑے قصور کو معاف کرنے والا ہے۔ پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں سے

دریافت فرماتے ہیں کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود اور ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے۔ تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی۔ اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم! آج کے دن اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کرو گے عطا کروں گا اور دنیا کے بارے میں جو سوال کرو گے اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزت کی قسم! جب تک تم میرا خیال رکھو گے میں تمہاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا اور ان کو چھپاتا رہوں گا، میری عزت کی قسم اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں اور کافروں کے سامنے رسوا اور فضیحت نہ کروں گا، بس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ تم نے مجھے راضی کر دیا اور میں تم سے راضی ہو گیا۔ پس فرشتے اس اجر و ثواب کو دیکھ کر جو اس امت کو افطار کے دن ملتا ہے، خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہیں۔

(فضائل رمضان)

حق تعالیٰ کی اس ذرّہ نوازی کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم ان کے اور زیادہ فرمانبردار اور اطاعت شعار بندے بنتے، تاکہ اور زیادہ اطاعت پر زیادہ رحمتوں اور برکتوں کے حق دار ہوتے۔ لیکن افسوس ہلال عید نظر آتے ہی ہم نے ایسا رخ پلٹا اور ایسے نکلے اور نظریں پھیریں کہ پیچھے مڑ کر ہی نہ دیکھا اور اتنی دور نکل گئے کہ مرکز ہی کو بھول گئے اور ایسے ایسے کاموں کا ارتکاب کیا کہ جن سے بجائے موردِ رحمت بننے کے حق تعالیٰ کی ناراضگی غصہ اور عذاب کا مورد بننے لگے، عید الفطر کی شب اور اس کا دن انعاماتِ الٰہی کی وصولی اور خوشنودی حاصل ہونے کا مبارک موقع ہے، ہم نے اس کو ان کی ناراضگی کا سبب بنانے میں کونسی کسر نہ چھوڑی اور تعجب یہ ہے کہ ہم ایسی باتوں کو گناہ بھی نہیں سمجھتے، جو اور بھی خطرناک بات ہے، یہاں ذیل میں کچھ ایسی ہی چند باتیں عرض کرتا ہوں، صرف اس امید پر کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ توجہ سے ان باتوں کو پڑھے اور اسے توفیق عمل ہو جائے، حق تعالیٰ ہم سب کو ان منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

عید کی تیاری

ایک فتنہ عید کی تیاری کا ہے، جو عید الفطر میں زیادہ اور بقر عید کے موقع پر کچھ کم برپا ہوتا ہے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بلاشبہ مسرت کا دن قرار دیا اور اتنی بات بھی شریعت سے ثابت ہے کہ اس روز جو بہتر سے بہتر لباس کسی شخص کو میسر ہو وہ لباس پہنے، لیکن آج کل اس غرض کے لیے جن بے شمار

فضول خرچیوں اور اسراف کے ایک سیلاب کو عیدین کے لوازم میں سمجھ لیا گیا ہے، اس کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

آج یہ بات فرض واجب سمجھ لی گئی ہے کہ کسی شخص کے پاس مالی طور پر گنجائش ہو یا نہ ہو، لیکن وہ کسی نہ کسی طرح گھر کے ہر فرد کے لیے نئے سے نئے جوڑے کا اہتمام کرے، گھر کے ہر فرد کے لیے جوتے ٹوپی سے لے کر ہر چیز نئی خریدے، گھر کی آرائش وزیبائش کے لیے نت نیا سامان فراہم کرے، اور ان تمام امور کی انجام دہی میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ایک متوسط آمدنی رکھنے والے شخص کے لیے عید اور بقرعید کی تیاری ایک مستقل مصیبت بن چکی ہے، اس سلسلے میں وہ اپنے گھر والوں کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے جب جائز ذرائع کو ناکافی سمجھتا ہے تو مختلف طریقوں سے دوسروں کی جیب کاٹ کر وہ روپیہ فراہم کرتا ہے، تاکہ ان غیر متناہی خواہشات کا پیٹ بھر سکے۔ اور اس عید کی تیاری کا کم سے کم نقصان تو یہ ہے ہی کہ رمضان اور خاص طور سے آخری عشرے کی راتیں اور اسی طرح بقرعید کے پہلے عشرے کی راتیں بالخصوص بقرعید کی شب جو گوشۂ تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے عرض ومناجات اور ذکر وفکر کی راتیں ہیں وہ سب بازاروں میں گزرتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ رمضان المبارک کے آخری دس دن اور ان کی راتیں، عید اور شبِ عید بڑی مبارک ہیں اور آخرت کمانے کا بہترین سیزن ہے، بندۂ مؤمن جس کی زندگی کا مقصد صرف حق تعالیٰ کی رضا اور حصولِ جنت ہے اس کے لیے یہ بہت ہی نادر موقع ہے، جو حق تعالیٰ نے محض اپنی رحمت سے عطا فرمایا ہے، ان ایام اور مبارک لیل ونہار کو بے حد غنیمت سمجھا جائے اور ہر شخص کو اپنی طاقت کے مطابق ان ایام میں زیادہ سے زیادہ عبادت وطاعت، ذکر وتلاوت، تسبیح ومناجات اور توبہ واستغفار کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے اور زیادہ نفلی عبادت وطاعت نہ کر سکے تو کم از کم مذکورہ بالا اور دیگر گناہوں سے تو اپنے کو دور ہی رکھے اور تمام رات کوئی نہ جاگ سکے تب بھی کچھ حرج نہیں، آسانی اور بشاشت کے ساتھ جتنی دیر جاگ کر عبادت کر سکے اتنا ہی کر لے۔

عید کے دن بارہ چیزیں مسنون ہیں:

۱) اپنی آرائش کرنا۔ ۲) غسل کرنا۔ ۳) مسواک کرنا۔ ۴) عمدہ سے عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں وہ پہننا۔ ۵) خوشبو لگانا۔ ۶) صبح سویرے اٹھنا۔ ۷) عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر دے دینا۔ ۸) عیدگاہ میں بہت سویرے جانا۔ ۹) عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز مثلاً چھوہارے وغیرہ کھانا۔ ۱۰) نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھنا اور عیدگاہ سے واپسی پر دوسرا راستہ اختیار کرنا۔ ۱۱) پاپیادہ جانا۔ ۱۲) راستے میں

اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر، اللہ اکبر، و اللہ الحمد پڑھنا، جہاں عید کی نماز پڑھی جائے وہاں نماز سے پہلے اور بعد کوئی اور نماز پڑھنا مکروہ ہے، نمازِ عید کے لیے عید گاہ جانا سنتِ مؤکدہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مقدس مسجد کو انتہائی فضیلت کے باوجود عیدین کے دن چھوڑ دیتے تھے اور عید گاہ تشریف لے جاتے تھے۔

عید الفطر کی نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس طرح نیت کرے: میں نے دو رکعت واجب نمازِ عید کی چھ واجب تکبیروں کے ساتھ نیت کی۔ نیت کے بعد ہاتھ باندھ لے اور سبحانک اللّٰھم پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے اور ہر مرتبہ تکبیر تحریمہ کی طرح دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور بعد تکبیر کے ہاتھ لٹکا دے اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر ٹھہرے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ لٹکانے کے بجائے باندھ لے اور اعوذ باللہ، بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھ کر حسبِ دستور رکوع اور سجدے کر کے کھڑا ہو اور دوسری رکعت میں پہلے سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت پڑھ لے، اس کے بعد تین تکبیریں اس طرح کہے جس طرح پہلی رکعت میں کہی ہیں، البتہ دوسری رکعت میں تیسری تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ باندھنے کے بجائے لٹکائے رکھے اور پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے۔

شوال کے چھے روزے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے اور اس کے بعد ماہِ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے اس کا یہ عمل ہمیشہ روزے رکھنے کے برابر ہوگا۔

ایک معمولی محنت پر اتنا بڑا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمت ہے اور عمر بھر کے لیے روزے کا ثواب حاصل کرنے کا نہایت آسان اور کم خرچ نسخہ ہے، حق تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں، اس پر مزید آسانی یہ ہے کہ ان کے رکھنے میں اختیار ہے، خواہ شروع شوال میں رکھیں یا درمیان میں یا آخر میں، یہ بھی اختیار ہے خواہ مسلسل رکھیں یا متفرق، شرعاً کسی طرح کوئی پابندی نہیں۔ (مسلم شریف)

اصلاحی مضامین

اہل علم کی سوغات میں ۔۔۔۔

مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگر *

عوام کا ایک بڑا طبقہ علماء کی زیارت و ملاقات کے لیے بڑے ذوق کے ساتھ حاضر ہوتا ہے اور اس حاضری کو اپنے لیے باعث سعادت بلکہ عبادت گردانتا ہے، بل کہ اکثر لوگ علماء سے ان کی ملاقات کے اشتیاق کے بابت پوچھنے پر جواب دیتے ہیں کہ علماء کی محض زیارت بھی مستقل عبادت ہے، یقیناً یہ ایک قابل تحسین عمل اورعوام کے دلوں میں علماء کے تیئں ایک اچھا احساس ہے لیکن کیا واقعی محض عالم کو دیکھ لینا بھی عبادت ہے؟ کس بنیاد پر لوگ عالم کو دیکھنا عبادت سمجھتے ہیں؟ جب اس امر کی کھوج شروع کی توفیض القدیر میں یہ عبارت ملی:" **خمس من العبادة: النظر إلى المصحف، والنظر إلى الكعبة، والنظر إلى الوالدين، والنظر في زمزم وهي تحط الخطايا، والنظر في وجه العالم**" یہاں عالم سے کون مراد ہے؟ تو اس کی تشریح میں درج ہے"**العامل بما علم، والمراد: العلم الشرعي**" یعنی وہ علماء شریعت جو اپنے علم پر عمل پیرا ہوں اور دل میں خوف خدا رکھتے ہوں ان کو دیکھنا اور ان کی مجالست اختیار کرنا چونکہ قربت خداوندی اور خشیت الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے اس لیے اس کو بھی مستقل عبادت وقربت بتلایا گیا ہے۔

اہل علم اور علماء کی متعدد فضیلتیں قرآن وحدیث میں مذکور ہے مگر ایک خاص وصف جس کے ساتھ اللہ نے علماء کو یاد کیا ہے وہ خوف خداوندی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ (سورۂ غافر) یعنی اللہ کے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ سے حقیقی طور پر ڈرنے والے علماء ہی ہیں، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص جس قدر خدا کی معرفت اور اس کی شان کا عالم ہوگا وہ اسی قدر خدا ترس ہوگا، جب خدا تعالیٰ کی معرفت بڑھ جاتی ہے تو اس سے حیا، اس کی محبت اس کا خوف سب بڑھ جاتا ہے، اور جس قدر معرفت بڑھتی رہے گی اسی قدر ان صفات میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

یہاں آیت میں انّما کلمۂ حصر لاکر یہ بتلایا گیا ہے کہ اولاً تو خشیت وخدا ترسی کمال درجہ میں صرف علماء

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

ہی کے اندر پائی جاتی ہے، دوسرے خشیت کا ہونا عالم کے لیے نہایت ضروری ہے اگر خشیت نہ ہوتو وہ حقیقی معنی میں عالم بھی نہیں ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فقیہ کی تعریف اس طرح فرمائی: کامل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اوران کو گناہوں کی رخصت بھی نہ دے اوران کو اللہ کے عذاب سے مطمئن بھی نہ کرے، اورقرآن کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف رغبت نہ کرے، (اورفرمایا) اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جو بے علم کے ہواوراس علم میں کوئی خیر نہیں جو بے قصہ یعنی بے سمجھ بوجھ کے ہواوراس قرات میں کوئی خیر نہیں جو بغیر تدبر کے ہو" (معارف القرآن) حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لیس العلم بکثرۃ الروایۃ ولکن العلم الخشیۃ''۔علم خشیت الٰہی کا نام ہے، نہ کہ کثرت روایات کا۔

امام مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا: عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ سے ڈرے"۔سعد بن ابراہیمؒ سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ فقیہ کون ہے؟ تو فرمایا"اتقاھم لربہ" یعنی جو اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والا ہو وہ بڑا عالم ہے۔حضرت ربیع بن انسؒ نے فرمایا جو اللہ سے نہ ڈرے وہ عالم نہیں ہے، اورحضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ جس عالم میں خشیت نہ ہووہ عالم ہی نہیں۔

علم دین کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ معرفت الٰہی حاصل ہو، اس معرفت کے نتیجے میں انسان کا رواں رواں خشیت الٰہی میں ڈوب کر سراپا اطاعت بن جائے، حضرت ابن مسعودؓ ہی کا قول ہے:علم کواس کے اٹھ جانے سے قبل ہی حاصل کرلو، اہل علم کا فوت ہوجانا ہی علم کا اٹھ جانا ہے۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے دن اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے شہید ہوجانے والے لوگ جب اپنی آنکھوں سے علماء کی قدر ومنزلت کا مشاہدہ کریں گے تو حسرت کریں گے کہ کاش اللہ تعالیٰ انھیں بھی علماء کی صف میں اٹھاتا، کوئی شخص بھی عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا اورعلم تو سیکھنے اور حاصل کرنے سے آتا ہے۔

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں"علمِ دین سے مقصود تزکیۂ نفس اوراصلاحِ عمل ہے، ورنہ ہیچ ہے۔جیسے علمِ طب سے مقصود جسمانی صحت کی حفاظت ہے، محض دواؤں کے نام اوران کے خواص یاد کرلینا مقصود نہیں ۔یہ ناممکن ہے کہ واقع میں کوئی شراب پیے اوراس کو نشہ نہ ہو، اسی طرح یہ ناممکن ہے کہ کوئی حقیقتاً علمِ دین کا ایک جام پیے اوراس پر دین کا نشہ اورسکر نہ آئے۔عالمِ دین خدا کے نزدیک وہ ہے کہ علمِ دین اس کے دل میں گھر کرگیا ہو، محض باتیں بنانے اور لمبی تقریر کرنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عالم نہیں ہوجاتا۔اگر واقعۃً دل میں خشیت اورخوفِ خداوندی ہوتا تو معاصی پر جرأت نہ کرتا۔حدیث میں آتا ہے:اَللّٰھُمَّ اِنّی اَسْاَلُکَ مِنْ خَشْیَتِکَ مَاتَحُوْلُ بَیْنِی وَ بَیْنَ مَعَاصِیْکَ۔

معلوم ہوا کہ خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس سے بندہ اور معصیت کے درمیان حیلولت واقع ہوجائے اور اگراسے یہ خشیت حاصل نہیں کہ جو عاصی اور معاصی کے درمیان حائل ہوتو سمجھ لو کہ اسے صحیح علم بھی حاصل نہیں۔ عالم کو چاہیے کہ رسمی طور پر تحصیلِ علم کو مقصود نہ جانے بل کہ خشیت کو مقصود جانے اور تحصیلِ خشیت کا اہتمام کرے اور خشیتِ مقصودہ اور مطلوبہ وہ ہے جو نفس وشیطان اور معصیت سے حجاب بن جائے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ، جلد ۶ ص ۴۰۸، ۴۱۲)

علماء آخرت یعنی جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں ان کے لیے تو قرآن وحدیث میں بے شمار فضائل وارد ہوئے ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے: عَنْ سَخْبَرَة الأَزْدِي رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "مَنْ طَلَبَ العِلْمَ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضىٰ۔" (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ: ۳۴) یعنی جس خوش نصیب نے (صدقِ نیت سے) علم طلب کیا تو یہ طلبِ علم اس عالم دین کے گذشتہ (صغیرہ) گناہوں کا کفارہ ہوگا۔علماء نے اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھی نیت سے علم طلب کرنے والے علماء حق کو گناہوں سے بچنے کی اور گذشتہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں گے، اور پھر دنیا میں علماء حق کو حق تعالیٰ اپنی مخلوق میں مقبولیت عطا فرمائیں گے تو آخرت میں مغفرت سے مالا مال فرمائیں گے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی ہے: عَنْ ثَعْلَبَة بْنِ الحَكَمِ الصَّحَابِي رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "يَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ لِلْعُلَمَاءِ يَوْمَ القِيَامةِ إِذَا قَعَدَ عَلىٰ كُرْسِيه لِفَصْلِ عِبَادِهِ: "إِنّىْ لَمْ أَجْعَلْ عِلْمِىْ وَ حِلْمِىْ فِيْكُمْ، إِلاَّ وَ أَنَا أُرِيْدُ أَنْ أَغْفِرَ لَكُمْ عَلىٰ مَا كَانَ فِيْكُمْ، وَ لاَ أُبَالِىْ۔" (رواہ الطبرانی فی الکبیر ورواتہ ثقات، کمافی الترغیب: ۱/۱۰۱)

قیامت میں حق تعالیٰ اپنی (شان کے مطابق) کرسیٔ خاص پر تشریف فرما ہوں گے، پھر علماء سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمائیں گے کہ "میں نے اپنے علم وحلم سے تمہیں اس لیے نوازا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ تمہاری کوتاہیوں کے باوجود تم سے درگزر کروں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ (حدیث قدسی نمبر: ۱۳۰)

حضرت امام محمدؒ کے متعلق منقول ہے کہ وفات کے بعد کسی نے اُنہیں خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ "آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟" فرمایا: "مجھ سے کہا گیا: "کیا چاہتے ہو؟" تو میں نے عرض کیا: یا اللہ! میں تو صرف معافی اور مغفرت طلب کرتا ہوں بس! ارشاد ہوا کہ "اے محمد! اگر ہمیں تم کو عذاب دینا ہوتا تو یہ علم عطا نہ کرتے۔

اور جن لوگوں نے علم تو حاصل کرلیا لیکن عمل کے باب میں کورے ہیں ان کے بارے میں بڑی سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں آپ علیہ السلام کا فرمان ہے: يجاء بالرجل يوم القيامة فيلقى فى النار، فتندلق أقتابه (أى أمعاؤه) فى النار، فيدور كما يدور الحمار برحاه، فيجتمع أهل النار عليه، فيقولون: أى فلان،

ما شأنك؟ أليس كنت تأمرنا بالمعروف وتنهى عن المنكر؟ قال: كنت آمركم بالمعروف ولا آتيه، وأنهاكم عن المنكر وآتيه (صحیحین)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا پھر وہ جہنم میں ڈالا جائے گا اس کے پیٹ کی آنتیں باہر نکل آئیں گی، وہ ان کو لیے ہوئے گدھے کی طرح جو چکی پیستا ہے چکر لگائے گا اور جہنم والے اس کے پاس اکٹھا ہوں گے اس سے پوچھیں گے، اے فلانے! کیا تو اچھی بات کا حکم نہیں کرتا تھا اور بری بات سے منع نہیں کرتا تھا؟ وہ کہے گا میں دوسروں کو اچھی بات کا حکم تو کرتا اور خود عمل نہ کرتا تھا اور دوسروں کو بری بات سے منع کرتا اور خود اس سے باز نہ رہتا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتوں نے جواب دیا: یہ دنیادار (پیشہ ور) خطباء ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے حالانکہ وہ کتابِ (الٰہی) کی تلاوت کرتے تھے۔ کیا وہ عقل نہیں رکھتے؟ (مسند احمد)

خلاصہ بس یہ ہے کہ علم کے ساتھ خشیت وانابت خلوص وللّٰہیت کا ہونا اور اپنے علم پر مکمل عمل حد درجہ لازم ہے، ورنہ نرا علم یا علم بغیر عمل کے آخرت میں رسوائی اور مزید سخت پکڑ کا باعث بن سکتا ہے، اور آپ علیہ السلام کا فرمان بھی یہی ہے کہ "اتق الله فيما تعلم" یعنی جتنی معلومات تم نے حاصل کر لی ہے ان تمام میں خدا سے ڈرا کرو۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نعُوْذُ بِکَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَايُسْتَجَابُ لَهَا آمین یارب العالمین

اصلاحی مضامین

یہ بے سمت ہوتے جلسے!

از: مولانا الیاس نعمانی ندوی

ماضی قریب کی ہماری دینی تاریخ میں مدارس کے سالانہ جلسوں کا ایک اصلاحی کردار رہا ہے. جن لوگوں کو ہندوستانی مسلمانوں کی دینی صورت حال سے دلچسپی رہی ہے وہ جانتے ہیں کہ مدارس کے ان جلسوں نے عام لوگوں تک دین کا پیغام پہونچانے میں ایک کردار ادا کیا ہے، بالخصوص دینی تعلیم کی طرف متوجہ کرنے اور بدعات وخرافات کے خاتمہ میں ان جلسوں سے بڑا کام لیا گیا ہے، ان سالانہ عوامی جلسوں میں علاقہ یا ملک کے ممتاز علما وواعظین آتے اور بیانات کرتے، عوام شرکا کی ایک تعداد ان کو سنتی، ایک اصلاحی پیغام لے کر گھر جاتی، اور اس کی زندگیوں میں یا کم ازکم اس کے طرز غور وفکر میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی؛ لیکن ادھر چند برسوں سے مدارس کے اکثر سالانہ جلسے بے سمت ہوتے جارہے ہیں، ان کا اصلاحی کردار ختم ہوتا جارہا ہے، سنجیدگی اور مقصدیت مفقود ہوتی جارہی ہے، ناظمین کی نظامت سے لے کر خطیبوں کی خطابت تک اسی غیر سنجیدگی کا نمونہ ہوتی ہیں۔

جلسہ کے ناظموں کو خبر ہی نہیں کہ دینی جلسوں کی نظامت اور مشاعروں کی نظامت میں فرق ہوتا ہے، ان کی اکثریت مشاعروں کے اس دور زوال میں ہورہی نظامت کی نقل کرنا چاہتی ہے، مبالغہ آرائی اور بے جا تک بندی کسی حد پر رکنے کو یہ تیار نہیں، سنجیدگی اور صدق بیانی سے ان کو کوئی واسطہ نہیں. چند الفاظ وترکیبات کی الٹ پھیر کو یہ کمال تصور کرتے ہیں. خطیبوں کی ایک تعداد یا تو مزاحیہ اداکاری کرتی ہے یا عوام کو مرعوب کرنے کے لیے غیر مفید معلومات رٹ کر آتی اور سناتی ہے، چیختی ہے چلاتی ہے اور سامعین پر اپنے علم کی دھونس جماتی ہے، ان جلسوں کے خطیبوں میں شاذ ونادر وہ ہوتے ہیں جو سچا اور صاف ستھرا دینی پیغام لوگوں تک پہونچانے کی فکر کریں، ان کے اندر اللہ کا پاس، جنت کا شوق اور جہنم کا خوف پیدا کرنے کی کوشش کریں، سچا دینی فہم عام کریں اور اگر کوئی ایسا شخص پہنچ بھی جائے تو اس کی باتیں نام کے ان دینی جلسوں میں اجنبی باتیں سمجھی جاتی ہیں، اور وہاں کی بے مقصد وغیر سنجیدہ فضا میں غیر مؤثر ہوکر رہ جاتی ہیں۔

رہی سہی کسر اِن مغنیوں نے پوری کردی ہے جو کہنے کوتو نعت خواں، مداح خیرالانام یا شاعر اسلام ہوتے ہیں، لیکن نعت کے نام پر خدا جانے یہ قوم کو کیا کیا سناتے ہیں، اپنے طرز ادا سے یہ پورے جلسے کو غیر سنجیدہ بنانے کا کام کرتے ہیں، داد کی وہ بھوک ان میں پائی جاتی ہے جو کچھ دنوں پہلے تک صرف ہندی کویوں کے یہاں پائی جاتی تھی، ہر اچھے برے شعر پر یہ سامعین سے واہ واہ اور سبحان اللہ کے نعرے بلند کرنے کی اپیل کرتے رہتے ہیں، داد کا مطالبہ جس بے حیائی کے ساتھ یہ کرتے ہیں اردو تہذیب کے عام شعرا بھی اس بے حیائی کے ساتھ داد نہیں مانگتے تھے، یہ دینی جلسے کے اسٹیج پر اس زمانہ کے بعض مشہور ہندی کویوں کی نقل کرتے ہیں اور نعت کا تقدس پامال کرتے ہیں۔

بے مقصد منتظمینِ جلسہ جب خود بے مقصد ہوں تو انھیں کیا خبر ہو کہ وہ ایک دینی ادارہ کے دینی جلسہ کو سیر وتفریح کا سامان بنانے کے مرتکب ہیں، انھیں اندازہ ہی نہیں کہ وہ جس جلسہ سے کوئی با مقصد پیغام عوام تک پہنچا سکتے تھے اس جلسہ کی سنجیدگی اور مقصدیت کا وہ کیسا خون کررہے ہیں۔ دین یا دینی راہنمائی کا کوئی نظام جب بے سمت ہوتا ہے تو یہی سب کچھ اس کے ساتھ ہوتا ہے، قرآن نے بتایا ہے کہ قریش کا دینی ذوق بگڑا تھا تو وہ عبادت کے عمل میں سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے لگے تھے، جن جلسوں میں اللہ ورسول کا پیغام پہونچایا جانا تھا ہم سب جانتے ہیں کہ وہاں آج کتنی تالیاں پیٹی جاتی ہیں، اور کس کس طرح کے قہقہے لگائے جاتے ہیں !!!!!

ہمارے ملک میں جن خانقاہوں سے لاکھوں کی زندگی با مقصد بنی تھیں، ان میں اللہ کو راضی کرنے کی فکر پیدا ہوئی تھی، نیکیوں میں مسابقت اور گناہوں سے بچنے کا جذبہ پیدا ہوا تھا، وہاں کے جانشیں بے مقصد ہوئے اور غیر سنجیدہ ہوئے تو اجمیر سے لے کر درگاہ حضرت نظام الدین تک سوائے قوالیوں کے کیا ہورہا ہے، وہاں جائیے تو لگتا ہی نہیں کہ کبھی یہاں کی فضا بھی سنجیدہ رہی ہوگی، اور یہاں آکر کبھی زندگیوں کے رخ بدلے ہوں گے۔ ہمارے مدارس کے آج کے اکثر جلسوں کو دیکھ کر ڈر لگتا ہے کہ ہندوستان میں خانقاہوں کے بعد جن مدارس نے لوگوں کو سچے دین سے آشنا کرنے کا کام کیا تھا کہیں اب ان مدارس کے ساتھ بھی یہی حادثہ تو گزرنے نہیں جارہا ہے۔ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

روزہ کی نیت

سوال: کیا روزہ کی نیت زبان سے کرنا ضروری ہے؟ اور کیا ہر روزہ کے لئے الگ الگ نیت کرنا ضروری ہے؟

جواب: روزہ کی نیت کے کئے زبان سے تلفظ کی ضرورت نہیں؛ بلکہ محض دل سے ارادہ کرلینا کافی ہے؛ حتی کہ سحری کھانا نیت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور ہر روزہ کے لئے الگ الگ نیت کرنا ضروری ہے۔

(مستفاد از: کتاب النوازل، ۲/ ۱۴۷)

روزہ میں خون ٹیسٹ کرانا

سوال: روزہ کی حالت میں خون ٹیسٹ کرانا کیسا ہے؟ کیا اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟

جواب: خون نکال کر ٹیسٹ کرانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا؛ اتنا زیادہ نہ نکالیں کہ کمزوری غالب ہوجائے۔ (کتاب المسائل، ۲/ ۱۵۳)

تراویح میں لقمہ

سوال: کیا تراویح پڑھتے وقت حافظ صاحب اگر آیت بھول جائے تو لقمہ دے سکتے ہیں؟

جواب: اگر امام سے قرآن پڑھنے میں بھول ہوجائے تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے، لقمہ دیتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ امام مزید التباس میں نہ پڑ جائے، یعنی اگر امام صحیح پڑھنے کی کوشش کررہا ہو تو اولاً اسے موقع دیا جائے، اگر امام نہ پڑھ پائے تو لقمہ دیا جائے، لقمہ کوئی ایک شخص دے، اور اس طرح پڑھے کہ امام کو سمجھ میں آجائے، جو نماز میں شریک نہ ہو اسے لقمہ نہیں دینا چاہیے، اگر اس نے لقمہ دیدیا، اور امام نے قبول کرلیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ (کتاب الفتاوی، ۲/ ۴۰۱)

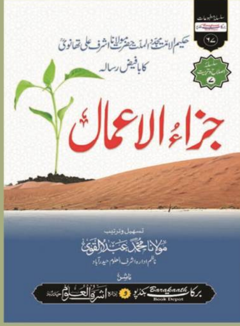
---

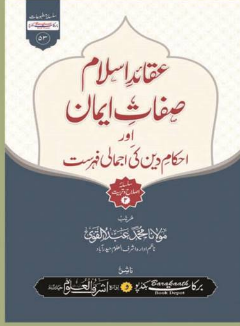
* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

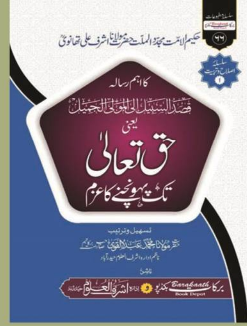
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-

RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25

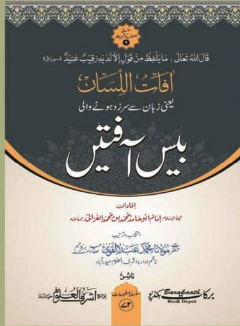
Date of Publication 3rd Apr-23, date of Posting 5th Apr-23

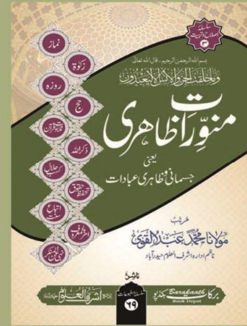


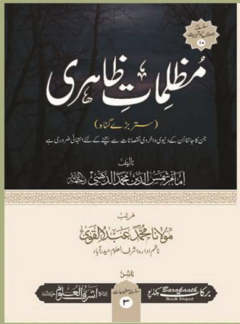


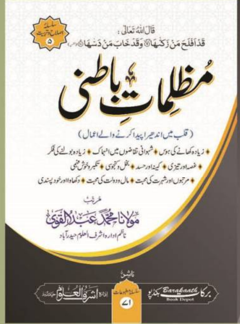


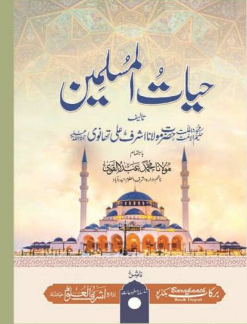












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059

Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59